محبوبات

محبوبات

مصنّفہ

حفیظۃ الرحمان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیش لفظ

"قرۃ العین" ایک میری ایسی کاوش ہے جس میں ہیروں کو تراشنے کے کچھ پہلوبیں نے بیان کئے ہیں ۔ میرے بھائیوں اور بیٹوں کو یہ حرفِ ناصحانہ بہت ہی پسند آیا ۔ یہاں تک کہ انہوں نے دوستوں اور عزیزوں کو تحائف کے طور پر قرۃ العین کتاب پیش کی ۔ یہ امر اس بات کی غمازی کرتا تھا کہ میری بچیوں سے کہیں قربانی مانگی جارہی ہے ۔ حالانکہ میرے بیٹے قرۃ العین کے انتساب پر ہی غور کرتے تو یہ جملہ

"اے خدا تو اُن کے صدقے خدام کو عباد الرحمٰن بنا دے"

آمین یارب العالمین ۔

اُن کے تشخص کی منہ بولتی پکار تھا ۔ چنانچہ ان کے تشخص اور پرکھ پر میں نے قلم اُٹھایا ہی تھا کہ مجھے ایک خط موصول ہوا جس کا نفسِ مضمون کچھ استفسار پر مبنی ہے ۔ جواب میں نے اپنے قارئین حضرات کے لئے بھی پیش کردیا ۔ واضح ہو کہ تمام واقعات حقیقت پر مبنی ہیں لیکن کردار میں کسی شخصیت کو مدّنظر رکھنا تخلیق کی بے حرمتی ہے ۔ میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ادیب کو ذاتیات سے ہٹ کر تخلیق کی توفیق عطا فرمائے ۔ اور یہ لفظ

دل میں اتر کر نونہالانِ جماعت کے لئے دُنیا میں جنّت بنا دے۔ آمین

کچھ پکار۔ کچھ آنسو۔ کچھ آہیں مجھے ہر بچی کے دامن میں جب نظر آئیں تو میں نے اِن آنسوؤں کی گواہی لے کر اور اِن آہوں کی دہائی لے کر اِن صفحات میں خدّام کو پیش کر دی اس اُمید پر کہ شاید خدام اِن آنسوؤں سے ہی روشنی پا جائیں۔ اِن آہوں سے ہی راستے کے کانٹے چن لیں

اور

اس پکار پر ہی محبت کے دریچے ان کے لئے کھول دیں اور ہر دریچے میں سے یہی صدا آ رہی ہو۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۔ (القصص: ۲۵)

والسّلام

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

تعارف

محترمہ سیّدہ حفیظہ الرحمٰن صاحبہ سے تعارف ان کی کتابوں کی وساطت سے ہُوا۔ ان کی تصنیفات۔ تخلیقِ الاوّل، قرۃ العین، دستک، کلمہ توحید کا سفر۔ میری نظر سے گزریں۔

جب اِن کی تصنیف "قرۃ العین" مَیں نے پڑھی تو بہت دلچسپ اور کارآمدگی شوق سے پڑھتی رہی۔ لیکن جوں جوں اسے پڑھا ایک تکلیف دِہ احساس بھی دل میں پیدا ہوتا گیا۔ مَیں نے اپنے گرد پھیلے ہُوئے معاشرے کی ایک لڑکی کے ذہن سے سوچا تو یُوں محسوس ہُوا کہ اس "قرۃ العین" سے وابستہ کی جانے والی اُمیدوں کے بوجھ سے اس غریب کے کندھے دبتے چلے جا رہے ہیں اور تنہا یہ بوجھ اُٹھانا اس کیلئے ناقابلِ برداشت ہے۔

مَیں نے سوچا قرۃ العین بننے کا کٹھن کام عورت تنہا نہیں کرسکتی۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب مرد اپنے تمام قویٰ لکیا تھا اس کی مدد کرے۔ اگر اس دُنیا میں سچے عبادالرحمٰن پیدا ہو جائیں تو پھر قرۃ العیون خود بخود پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔

سو اس وقت میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہُوئی کہ مَیں مصنفہ سے کہوں کہ اب وہ "عبادالرحمٰن" کے عنوان سے بھی ایک کتاب ان مردوں کے متعلق لکھیں جو حقیقی معنوں میں ایک قرۃ العین کے ساتھی بننے کے اہل ہوں لیکن اس خواہش کا اظہار کرنے میں کافی وقت گزر گیا اور پھر جب ان تک میری یہ خواہش پہنچی تو مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ وہ پہلے ہی اس مضمون کو مدِّنظر رکھتے ہُوئے ایک نئی کتاب "محبوبات" کے نام سے لکھ چکی ہیں۔ سو انہوں نے مجھے اس کا مسودہ بھجوایا اور

میں نے اسے پڑھا۔ اس کتاب میں مصنفہ نے بڑی اچھی طرح سے مردوں کی کمزوریاں اور کوتاہیاں جن سے گھریلو سکون برباد ہوتا ہے۔ بیان کرتے ہوئے ان کی تہہ میں موجود وجوہات کا تجزیہ لیا ہے اور ان کے تدارک کے طریق بھی تجویز کئے ہیں۔ روزمرہ زندگی میں رونما ہونیوالے چھوٹے چھوٹے واقعات سے میاں بیوی کی زندگیوں میں پیدا ہونیوالی تلخیوں کا ذکر کرتے ہوئے اچھے طریق پران واقعات کا کھلا کھلا تجزیہ کیا ہے اور پھر نصیحت کی ہے۔

عورت کے درد کو دل کی گہرائیوں میں محسوس کر کے مؤثر طریق پر اس کا اظہار کیا ہے اور جگہ جگہ مردوں کو ان کی غلطیوں کا احساس دلا کر انہیں صحیح معنوں میں "عبادالرحمٰن" بننے کے لئے راہوں کی نشاندہی کی ہے۔

بہت سے مقامات پر حضرت مسیح موعود اور آپ کے خلفاء کے فرمودات کے بیان سے تحریر میں لذت اور قوت پیدا ہو گئی ہے ان فرمودات کو جس طریق سے وہ مضمون میں FIT کرتی ہیں وہ انداز بہت دلچسپ ہے۔ کتاب کے آخر میں عورتوں کو بھی ان کے فرائض یاد کروا دیئے گئے ہیں جو کہ ضروری تھا ورنہ وہ صورتحال بھی یقیناً تکلیف دہ ہوتی ہے جب کسی "عبادالرحمٰن" کو "قرۃ العین" نہ ملے۔

خدا کرے کہ اس کتاب کو پڑھنے والے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے والے ہوں مرد جنہیں یقیناً بعض پہلوؤں سے خدا تعالیٰ نے فضیلت دی ہے وہ اپنے مقام کو پہچانیں اور ایسا کردار اپنے اندر پیدا کر سکیں کہ اس دنیا میں بھی اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کیلئے جنت پیدا کرنیوالے ہوں اور آخرت میں بھی اپنے ربّ کی دائمی جنتوں کے وارث بننے والے ہوں۔ آمین۔ والسّلام

خاکسار

طاہرہ صدیقہ ناصر

انتساب

اپنی یہ کوشش اُن دُکھی معصوم ہستیوں کے نام معنون کرتی ہُوں جو نئی نسل کی سطحی سوچ کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ مَیں دُعاگو ہوں کہ ربّ العزّت ان کے لئے رحمتوں کے تمام دروازے کھول دے

اور

ہر دروازے پر تیرے محبُوب سرورِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطاء و رضا کی دستک ہو۔ اور اپنے پڑھنے والوں سے اِس دُعا کی بھی التجاء کرتی ہوں کہ خداوند عالم اِن بکھرے ہُوئے موتیوں کو یکجا کر کے حضرت مسیح موعُود ...... کے گلشن کی زینت بنادے تا داعی اِلی اللہ بن کر دہ عظیم ہستیوں میں تبدیل ہو جاویں۔ آمین یا ربّ العالمین

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

سہیل عزیز!

تمہارا خط ملا صورتِ حال سے آگاہی ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ اب صورتِ حال یہی ہے کہ ہم ضروری خیالات کا تبادلہ خطوط کی مدد سے ہی کیا کریں کیونکہ لڑکپن میں تم نے میری بہت سی باتوں کو سُنی اَن سُنی کر دیا۔ حالانکہ جہاں تک مجھے یاد ہے مَیں نے ایسے نکات بہت وضاحت سے یعنی پیار اور غصّہ دونوں جہت سے بیان کئے تھے اور تمہاری تعلیمی سرگرمیوں میں تو اکثر یہ زیرِ بحث رہتے تھے۔ کیونکہ تم ہمیشہ اُلٹی خبریں لے کر آیا کرتے تھے۔ جن پر گھنٹہ آدھ گھنٹہ کالج کے لان میں بیٹھ کر تم خود بول چکے ہوتے تھے بعد میں میری بھرپور توجہ مانگتے تھے۔ یہ بات تمہیں ہمیشہ بے چین رکھتی کہ تم مکمل جواب نہیں دے سکے ہو۔ مَیں ہمیشہ مطمئن کرتی کہ سوال کا جواب کسی حد تک تم نے صحیح دیا ہے۔ اور ہر موقع دیا ہے مگر نئے نئے نکتے تمہارے ذہن میں پیدا ہُوا کرتے اور تم عموماً میدانِ فہم و تفہیم وسیع رکھتے۔ سو حسبِ عادت تم نے آج پھر ایک سوال کر ڈالا۔ تم لکھتے ہو:۔

"ہم خُدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اس لئے اس کی شان کو بلند رکھنے کے لئے اُس کی عبادت کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے اپنے ذاتی جو پیارے ہیں اُن کو زندہ رکھنے کے لئے اگر کچھ کرتے ہیں تو آپ حضرات

چڑ کا مظاہرہ کر کے راستے متعین کرنے شروع کر دیتے ہیں یہ آخر کیوں؟"

عزیزم! پہلی نظر میں تمہارا سوال میں سمجھ نہیں پائی۔ کچھ مبہم معلوم دیا مگر دوبارہ سہ بارہ پڑھا تو اس نتیجہ پر پہنچی کہ تم نے اپنے شب و روز کا ذکر کیا ہے۔ جن کو سنوارنے کے لئے تمہارے بزرگ (دخل اندازی کرتے ہیں) بقول تمہارے راستے متعین کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟ اس سوال کے ۲ دو حصے ہیں:۔

(۱) ایک تو ذاتی پیار

(۲) دوسرے راستے متعین کرنا۔

راستے متعین کرنے کی وضاحت پہلے کرتی ہوں۔ تو واضح ہو کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ ایک ہاتھ جو بڑا ہو یعنی SUPER ہوتا ہے۔ دنیا میں راہنمائی کرتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی بھی سنت ہے کہ وہ راستے متعین کرنے کے لئے، راستہ روشن کرنے کے لئے، راستہ آسان کرنے کے لئے اور راستے پر ساتھ لے کر چلنے کے لئے کوئی نہ کوئی مصلح مقرر کرتا رہتا ہے۔ بڑے پیمانہ پر اُسے نبی، ولی کہتے ہیں اور چھوٹے پیمانے پہ اُسے والدین، اُستاد، شفیق و ناصح کہہ سکتے ہیں۔ عام فہم زبان میں خُدا تعالیٰ تمام باتیں مخلوق سے نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے نبی سے کر دیتا ہے۔ اب نبی کا کام یہ ہے کہ خُدا سے خبر پا کر لوگوں کو پہنچائے۔ اسی طرح یہ ایک زنجیر ہے جو نبی سے خلفاء اور پھر سابِقُوْن اَلاَ وَّلُوْنَ اور پھر ماں اور استاد تک جا پہنچتی ہے۔ جو راستہ میں روشنی پیدا کرتی ہے۔ ٹھیک ہے نا!"

پس انبیاء کا نزول اس لئے نہیں ہوتا کہ ان کی پرستش کی جائے بلکہ وہ نمونہ کے طور پر ہمارے پاس بھیجے جاتے ہیں۔ تا آنکہ اُن کے طور و طریقہ اپنائیں اور نمونہ میں خود کو ڈھال کر زندگی کے نشیب و فراز سے آگہی حاصل کریں۔ بجائے اس کے

کہ ہم گڑھے میں گر کر گہرائی کا اندازہ کریں۔ وہ ہمارے مصلفین لوگ ہمیں پہلے ہی گڑھے کی نشاندہی کر کے بیدار کر دیتے ہیں۔ اور مزید گڑھے کی طرف بڑھنے سے بچا لیتے ہیں۔ گڑھے میں گرنا تو دور کی بات ہے گڑھے کے جذبہ سے وہ قوتِ ایمانی اور قوتِ الہامی کی بناء پر واقف ہونے کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ اپنے محبوب کی مخلوق کو انحطاط سے بچا لیں۔ تم یہ سوچ سکتے ہو کہ نبی آخر کیوں ان الجھنوں میں خود کو ڈالتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ انسان کا لفظ انس سے نکلا ہے اور نبی کا وجود کامل انسان کا وجود ہوتا ہے۔ اور انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ صرف نبی میں ہی نظر آتا ہے۔ اس لئے اس رشتۂ اُنس کی بناء پر نبی ہر وقت انسان کی بھلائی و بہتری کے لئے پریشان رہتا ہے۔ دراصل یہ اُسی محبت و انس کا نتیجہ ہوتا ہے جو نبی کو اپنے محبوب خُدا سے ہوتی ہے۔ محبوب کی محبت کے تقاضے ہیں وہ تخلیقِ محبوب کی بے راہ روی اور گمراہی میں کڑھتا رہتا ہے۔ اُس گمراہی کو دُور کرنے کے لئے اُس کا راہی بنکر آگے آگے چلتا ہے اور راستے منور و روشن کرتا ہے۔ تاکہ تخلیقِ محبوب کسی اندھیارے میں گر نہ جائے۔ اِسی لئے وہ راستے پہلے ہی سے متعین کرتا رہتا ہے۔

اور اب

اگر اِس گراف کو تم نیچے کی طرف لاؤ تو یہ گراف میرے اور تمہارے پر ختم ہو جائے گا۔ اور اس گراف کی آخری حد پر ایک خادم کو اُس کا کوئی اُستاد۔ بزرگ۔ ماں باپ ہی راستہ متعین کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ خصوصاً چونکہ ماں کو تو خادم میں مخلوقِ خُدا کے علاوہ اپنا وجود بھی نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کیسے برداشت کرے گی کہ اُس کا اپنا وجود گڑھے میں جا گرے؟

یہاں گڑھے کے لفظ پر تمہیں اعتراض ہے تو میرے عزیز ہر وہ راستہ جو الٰہی نور

سے خالی ہو۔ مستقیم نہ ہو۔ نفسِ امّارہ کی فرمائش پر اپنایا گیا ہو۔ اور اسراف کی حدود کو چھوتا ہو۔ گڑھا ہی ثابت ہُوا کرتا ہے۔ آج دنیا میں دکھاوا۔ بناوٹ اور چکا چوند روشنی نے بہت سے کمزور ایمان لوگوں کو پریشان کیا ہُوا ہے۔ وہ زندگی کی آسائش اور وضع داری کے پیچھے ایسے بھاگتے ہیں کہ ان کے جوتے بھی پاؤں سے نکل جاتے ہیں اور وہ یہ تک بھول جاتے ہیں کہ کچھ دینی تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ اور کچھ دینی اقدار ہوتی ہیں۔ تکلیف دِہ امور اور مفید پابندیاں ہوتی ہیں۔ لیکن وہ ان سب کو روندتے ہُوئے چلے جاتے ہیں۔ تو ایسے مواقع پر اُن من چلے جوانوں کے لئے اوامر و نواہی کی گردان سنانی پڑتی ہے۔ اور کہ نہ کہ کی چھڑی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ جسے تم نے راستے متعین کرنے کا نام دے دیا ہے۔ اور بیٹے سہیل! ؏

"عقل خود اندھی ہے گر نیرِّ الہام نہ ہو"

یہ مت خیال کرو کہ تم بڑے ہو گئے ہو۔ دفتر میں ایک اُونچے عہدہ پر فائز ہو۔ اور دو تین بچے تمہارے انتظار میں بابا۔ بابا کرتے ہیں۔ اس لئے تمہیں سخت یا کڑوی بات کہنے کا ہمیں حق نہیں رہا۔ لیکن یاد رکھو حق ہمیشہ کڑواہی ہوتا ہے اور وہ کہا بھی جاتا ہے اور کہنے والا دلیر اور شجاع ہوتا ہے۔ حق کہنے والا انجام سے بے خبر ہو کر حق کی آواز کی منادی کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ سُننے والا اپنی دھن میں مگن بہت آگے جا چکا ہے۔ جہاں حق و سچائی کی آواز اُسے سنائی نہیں دیتی۔ حق کی آواز دینے والا کئی طریقوں سے اُس کے تعاقب میں بھاگتا ہے۔ اور غفلت و بے راہ روی کے نشان تک مٹا دیتا ہے اس لئے صرف عقل سے کام مت لو۔ ایمان کی فراست سے بھی۔ قرآن کی روشنی اور امامِ زمان کی فرمانبرداری سے اپنا راستہ متعین خود کرو۔ یہ جان لو کہ صرف یہ

کہہ دینا کہ "خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں اور اُس کی شان کو بلند کرنے کے لئے اُس کی عبادت کرتے ہیں" کافی نہیں۔ یوں تو ہزار شکر ہے کہ ایک مشغول خادم اپنی عبادت کے اوقات گرنے نہیں دیتا۔ نماز کو کھڑا کرتا ہے۔ اور زکوٰۃ و روزہ کو اپنا نصب العین قرار دیتا ہے۔ بہت خوشی کی بات ہے لیکن عزیزم یہ کہنے میں مجھے جھجک نہیں ہے کہ اعمال یعنی عبادات تو خود راستے منور کر کے متعین کر دیتی ہیں۔ پھر کیوں خادم کی عبادات نے محبوبات کی فہرست کو لمبا کر دیا۔ کیوں مرغوباتِ زمانہ میں آج کا خادِم اتنا الجھ گیا کہ پریشان حال ہو گیا؟ مَیں سمجھتی ہُوں کہ وہ ایمان اور اعمال کے مقام کو ہی متعین نہیں کر سکا۔ کیونکہ ایمان اور اعمال کا اپنا اپنا مقام ہے جس سے واقفہ ہونا ضروری ہے۔ تو سنو! ایمان کیا ہے؟

ایمان

اللہ کو ذات میں بے ہمتا۔ صفات میں یکتا۔ افضال میں لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ یقین کیا جائے۔ ایمان کا مقام اوّل ہے اور اعمال کا مقام دوسرے نمبر پر ہے۔ پس ایمان کا مطلب یہ ہے کہ "ان صداقتوں پر ایمان لانا ہے جو حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں کی جا سکتیں۔ بلکہ ان کا ثبوت اور ذرائع سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اُسے حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اُس کے جاننے کے اور دلائل ہیں۔ اور وہ دلائل ایسے قطعی اور یقینی ہیں کہ ظاہری حواس سے معلوم کی ہُوئی باتوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ یقین کے مقام پر انسان کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ کا کلام جسے مومن سنتے ہیں اور اُس کی زبردست قدرتیں ہیں جن کا ظہور مومن اپنے نفوس اور باقی دنیا میں دیکھتے ہیں۔ مگر باوجود اِس کے خدا تعالےٰ کی

ہستی وراء الوراء ہے ۔ وہ حواسِ خمسہ سے محسوس نہیں کی جاسکتی ۔ پس ایمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ پختہ یقین اور اعتماد کے ساتھ اعتراف کرنا کہ خدا تعالیٰ کی تمام صفاتِ الٰہیہ اس کی ہستی اور کامل صفات کو ماننے کے بعد کامل انسان کے طور پر اس کے حضور میں جھک جانا اور اپنے آپ کو اُس کے قبضۂ قدرت میں دے دینا ۔ اور پھر یقین کر لینا کہ مَیں کامل طور پر خُدا کا ہو گیا ہُوں ۔ انشاء اللہ خدا بھی میرا ہو جائے گا ۔ ایک پختہ ایمان ہے ۔ گو یہ ایمانیات کے سلسلہ کی پہلی کڑی ہے یعنی اس کے بعد فرشتوں پر ۔ نبیوں پر اور خُدا تعالیٰ کے کلام پر اور اس طرح یومِ آخرت پر ایمان لانا اس کی آخری کڑیاں ہیں ۔ یہ تمام آپس میں لازم وملزوم ہیں یعنی جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات کا پختہ یقین کرے گا وہ لازماً رسُولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھی ایمان لائے گا ۔ پھر آپ کے ذریعہ سے جو کلام دنیا کو پہنچایا گیا یعنی قرآن مجید اس کی تصدیق کرے گا ۔ پھر ملائکہ پر یقین کرے گا کہ یہ بڑی نعمت ہیں جو انسان کے دل میں نیکی کی تحریک کرتے ہیں ۔ اگر کوئی ان کے کہنے کو مان لے تو اس طبقہ کے جو ملائکہ ہیں وہ سب اُس کے دوست ہو جاتے ہیں ۔ تو قرآن مجید میں فرمایا :۔

نَحْنُ اَوْلِيَاۤءُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔

ایسی پاک مخلوق کسی کی دوست ہو اور کیا خواہش ہو سکتی ہے ۔

بعدہٗ اُسے یومِ آخرت پر ایمان لانے کی بناء پر اعمالِ صالحہ بھی بجالانے پڑیں گے یعنی جو یومِ آخر پر ایمان لائے گا وہ خدا تعالیٰ سے لے کر تمام درمیانی کڑیوں پر ایمان لانے کے بعد ہی حقیقی مومن کہلانے کا مستحق ہو گا ۔ مختصر یہ کہ مَیں چاہتی ہُوں کہ تم اس نتیجہ کو پرکھو کہ عبادت یعنی اعمالِ صالحہ جو تم بجالاتے ہو اس کے لئے کتنے پختہ ایمان کی ضرورت ہے ۔ بلکہ بغیر ایمان کے اعمال پیدا ہی نہیں ہو سکتے یہانتک کہ

ان کا حقیقی علم کبھی تمہیں بغیر ایمان کے نصیب نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ سچا اور پختہ ایمان ہی ایمانِ صالحہ کو روشن کرتا ہے ۔ اور نیک اعمال کا حاصل ہمیشہ کامیابی ہوتا ہے ۔ اور حقیقی کامیابی و کامرانی اللہ تعالیٰ کی رضامندی محبت اور فرمانبرداری کا دوسرا نام ہے ۔ اگر تم سچے ایمان کے وارث بن جاؤ اور خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہوں پر چل نکلو تو تمہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہر موڑ پر ملے گا ۔ جو مشعلِ راہ ہوگا پھر اس مشعلِ راہ کے بعد کون ہے جو تمہارے لئے راستے متعین کرے راستے تو اُس سچے ایمان نے خود واضح کر دیئے جو تمہیں خدا تعالیٰ کی ذات بابرکات پر ہے ۔ بیشک خدا تعالیٰ کو تم نے حواسِ ظاہری سے نہ تو محسوس کیا ہے نہ دیکھا ہے ۔ مگر قرائنِ قویہ اور دلائل سے اس کا موجود ہونا تمہیں صاف صاف نظر آ گیا ہے نا ؟

اُس کے بعد خدا تعالیٰ نے تمہاری محبت میں اپنی پیاری پیاری نصیحت آمیز باتیں تمہارے پیار کو مکمل کرنے کے لیئے اور راستے ہموار و صاف کرنے کے لیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وجہ تخلیق کائنات کے ذریعہ تمہیں بھیجی ہیں ۔ تاکہ تم اپنی کائنات سنوار سکو ۔ یہی تو قرآن مجید کی وہ وضاحت و تشریح اور عملی نمونہ تھا جو سرورِ کائنات نے اپنے مبارک وجود سے تمہارے لئے پیش کیا تھا ۔ اس کے بعد یہ سلسلہ اولیاء اور بزرگانِ دین ۔ مجدد ۔ امام آخر الزمان اور خلفاءِ وقت کے توسط سے تمہیں پہنچتا رہا ہے ۔ اور اب اس تمام تر قرآنی روشنی میں تمہیں قطعی معلوم ہو چکا ہے ۔ کہ دل کا سچا ایمان ہی اعضاء کو عمل کی رغبت پیدا کرتا ہے اور عمل بھی برموقع برمحل یعنی مناسبِ حال عمل کی طرف توجہ دلاتا ہے ۔ اور پھر یہ پختہ ایمان ہی اعمال پر استقامت کی تاکید کرتا ہے ۔ پھر یہ پختہ ایمان ہستی باری تعالیٰ کے مشاہدہ کی سی کیفیت پیدا کر دیتا ہے ۔ پھر خدا اور اُس کے رسولؐ کی محبت کے

معاً بعد تمہاری طبیعت کو لذتِ روحانیہ کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اور پختہ ایمان ہی سے دنیوی لذت سے تمہارا دل متنفر ہو جاتا ہے۔ اس لئے میری ناقص رائے یہی ہے کہ تم ایمان کو پختہ کرو اور اگر یقین کے درجے تک حاصل کر لو۔ تو تمام تر چشمۂ زندگی شفاف پانی کی طرح ہموار اور رواں دواں چلتا رہے گا اور کہیں بھی کسی نفس کی چٹان سے ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ

اس کے بعد اعمالِ صالحہ سر انجام دو۔

اعمالِ صالحہ

یاد رہے کہ "اعمالِ صالحہ" وہی اعمال ہیں جو مناسبِ حال ہوں۔ یعنی نماز کے موقع پر نماز۔ روزہ کے موقع پر روزہ۔ زکوٰۃ کے موقع پر زکوٰۃ اور جہاد کے موقع پر جہاد۔ بس صرف نیک عمل ہی انسان کے لئے نفع بخش نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مناسبِ حال عمل نفع بخش ہوتا ہے۔ دوسرے اچھا فعل بھی بعض جگہ بُرا ہو جاتا ہے۔ مثلاً رحم کی جگہ انتقام اور انتقام کی جگہ رحم بھی مضر ہے۔ پس رحم تو اچھا ہے مگر انتقام کے موقع پر رحم عملِ صالح نہیں ہوگا۔ اور اس لئے ناپسندیدہ فعل ہوگا۔ جہاد کے موقع پر کوئی شخص نماز پڑھنے بیٹھ جائے تو نماز تو اچھی ہے مگر اس وقت عملِ صالحہ نہیں ہوگا اور اس لئے نفع بخش ثابت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص ڈوب رہا ہو اور ایک تیراک انسان ڈوبتے ہوئے شخص کو دیکھ بھی لے۔ مگر نماز کے قضاء ہو جانے کے خوف سے نماز نیت لے اور پڑھنا شروع کر دے تو یہ اس کا فعل ظلم ہوگا۔ کیونکہ اُس کا فرض تھا کہ پہلے ڈوبتے ہوئے کو بچاتا۔ کیونکہ شفقت علیٰ خلق اللہ کا تقاضا یہی تھا کہ نماز چھوڑ کر اس کو زندگی بخشنے کا حیلہ کرتا۔ گو زندگی بخشنا یا چھیننا خدا کا کام ہے مگر موت کے مُنہ سے

نکال لانا بھی زندگی بخشنے کے مترادف ہے۔ اور اگر کوئی شخص مناسب کام مناسب وقت پر کر کے ایک زندگی بچا لیتا ہے تو یہ بڑے درجے کی عبادت ہے۔ اور اپنی ذات میں خالق اور تخلیق سے سچی محبت کی نشانی ہے۔ اچھا اب ایک اور بات بھی ذہن نشین کر لو کہ خالی اعمالِ صالحہ یعنی مناسبِ حال عمل مناسب وقت پر ہی کافی نہیں بلکہ صدق و صفا کا ساتھ ساتھ ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی حدیث شریف میں آیا ہے کہ صوم و صلوٰۃ سے وہ درجہ نہیں ملتا جتنا کہ صدق و صفا سے ملتا ہے

حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں کہ:۔

"صدق بڑی چیز ہے اس کے بغیر عمل صالحہ کی تکمیل نہیں ہوتی خدا تعالیٰ اپنی سنت نہیں چھوڑتا اور انسان اپنا طریقہ نہیں چھوڑنا چاہتا اسلئے فرمایا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ خدا تعالیٰ میں ہو کر جو مجاہدہ کرتا ہے اُس پر اللہ تعالیٰ اپنی راہیں کھول دیتا ہے۔

پس تمہارے سوال کا جواب یہیں مل گیا ہے کہ تمہارے راستے خواہ مغرب کو جاتے ہوں یا مشرق کا رُخ کئے ہُوئے ہُوں اگر خُدا کی راہوں میں سے ہو کر گزرتے ہیں تو وہ تمہارا مجاہدہ ہے اور راستے تعین شدہ ہیں۔ ٹھیک ہے نا! کیونکہ سچائی میں بڑی ستھرائی ہے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے صدق کی بڑی اعلیٰ تعریف فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"جب انسان اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہتا ہے اور صدق اختیار کرتا ہے اور جھوٹ کو ترک کر دیتا ہے اور ہر قسم کے رجس اور پلیدگی سے جو جھوٹ سے وابستہ ہوتی ہیں دُور بھاگتا ہے اور عہد کر لیتا

ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ جھوٹی گواہی نہ دوں گا۔ اور نہ جذبۂ
نفسانی کے رنگ میں کوئی جھوٹا کلام کروں گا۔ نہ لغو طور پر۔ نہ کسبِ
خیر اور نہ دفعِ شر کے لئے یعنی کسی رنگ اور حالت میں بھی جھوٹ نہیں
بولوں گا۔ جب اس حد تک وعدہ کرتا ہے تو گویا اِیَّاکَ نَعْبُدُ پر
وہ ایک خاص عمل کرتا ہے۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۶۵)

پس خاص عمل جس کا ذکر حضرت اقدس نے فرمایا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی
واضح تشریح ہے۔ یعنی یہ کہ ہر روز ہر رکعت نماز میں ہم سورۃ فاتحہ میں اِیَّاکَ
نَعْبُدُ کہتے ہیں۔ گویا وہ عبادت جو ہم کرتے ہیں یا کر رہے ہوتے ہیں اگر اس کے
ساتھ ساتھ سچ کو اختیار کرنے کا قطعی عہد کرتے ہیں۔ تو عبادت کی تکمیل کرتے ہیں۔
یعنی خدا تعالیٰ کی شان عبودیت کو پابند رکھنے کے لئے ہمیں نشست و برخاست
سجدہ و قعدہ۔ خشوع و خضوع۔ تذلل و ابتہال کے ساتھ ساتھ راست بازی
اور دیانتداری۔ حُسنِ اخلاق اور صدق و وفا کو بھی اپنا شعار بنانا پڑے گا۔ پھر
اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے گا۔ پھر ایسی صورت میں اِیَّاکَ نَسْتَعِین ہمارے
مُنہ سے نِکلے یا نہ نِکلے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے خود ہی کفالت فرما دے گا۔
اور ہمیں اپنا قرب عطا فرمائے گا۔ گویا اِیَّاکَ نَعْبُدُ کو بھی حضور نے حقوق العباد
کے ساتھ لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ یہ کہ ہم صرف خدا تعالیٰ کی محبّت میں اس کی
عبادت کر کے اپنی عبدیت ظاہر کرتے ہیں تو یہ عبادت نامکمل ہے لہٰذا اس کی
تکمیل کے لئے اُس کے بندوں یعنی مخلوقِ خُدا کے ساتھ حُسنِ اخلاق یعنی راستبازی
رحم۔ عفو۔ عدل۔ بخشش۔ دیانتداری اور صدق و وفا کا سلوک کرنا لازمی امر
ہے۔ اور یہی ایک تکمیل عبادت کی آسان راہ ہے۔ خالی خولی نمازیں، روزے
حج۔ حتّٰی کہ تہجد بھی ہم خُدا کے حضور میں پیش کرتے ہیں مگر جب معاشرہ

میں ہمدردی۔ صبر اور عدل و انصاف کا وقت آتا ہے۔ تو ہم ایک ایسا پتھر ثابت ہوتے ہیں جس سے نہ چشمہ نکل سکتا ہے۔ نہ جس پر سبزہ اُگ سکتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کو ہماری کسی تہجد یا روزہ کی ضرورت نہیں۔ اگر ہم کسی کو اپنے اخلاقِ حسنہ سے مستفید نہیں کرتے تو یہ دکھاوا ہمارے لئے باعثِ زحمت ہوگا۔ مثلاً عفو یعنی کسی کے گناہ بخش دینا بہت پسندیدہ خلق ہے۔ اسی طرح سچ اور راستبازی بھی ایک اعلیٰ خلق ہے۔ لیکن اگر ہم ان کو اپناتے نہیں تو ہماری صوم و صلوٰۃ نامکمل عبادت ہے اور تکمیل کے لئے راستبازی اور صدق و وفا کی چاشنی چاہئی ہے۔ مثلاً حج ایک عظیم عبادت ہے۔ اور فرض واجب ہے مگر ہمیں حکومتیں اس بنیادی اسلامی رکن کی بجا آوری کی اجازت نہیں دیتیں۔ اگر ہم کسی نمونہ سے مناسکِ حج کے ادا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ لیکن آتے وقت واپسی پر CROSS QUESTIONING میں پھنس کر اپنی جان و آبرو بچانے کے لئے قطعی جھوٹ بول کر اپنی انفرادیت چھپا لیتے ہیں تو ہمیں اس عبادت حج بیت اللہ کا کیا فائدہ جو اپنے خلقِ افاضہ کو بھی فراموش کر بیٹھے۔ اور راست گوئی کو قربان کر کے اندیشے سے نکل آئے۔ اسی لئے تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر انسان صرف ایسی باتوں میں سچ بولے جس میں اُس کا چنداں حرج نہیں اور اپنی عزت و مال یا جان بچانے کے وقت جھوٹ بول جائے اور سچ بولنے سے خاموش رہے تو اُس کو دیوانوں اور بچوں پر کیا فوقیت ہے۔ .... پس ایسا سچ جو کسی نقصان کے وقت چھوڑ دیا جائے حقیقی اخلاق میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ سچ کے بولنے کا بڑا بھاری محل اور موقع وہی ہے جس سے اپنی جان یا

مال یا آبرو کا اندیشہ ہو" (اسلامی اصول کی فلاسفی ص۶۲)

المختصر میرا خیال یہ ہے کہ راستے متعین کرنے کی تمام تر وضاحت اپنی ہمت کے مطابق میں نے کردی ہے۔ اب تمہیں یہ شکوہ بزرگوں سے نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ تمہارے "ذاتی پیار کو زندہ رکھنے کے لئے راستے متعین کرتے ہیں"۔ اور تمہارے معاملات میں دخل اندازی کرتے ہیں۔ اگر تم خود ہی اپنے راستے سیدھے رکھو تو میرا خیال ہے کہ کوئی ذوی العقل تمہیں سیدھے راستے پر چلنے کے لئے نہیں کہے گا۔ ہے نا؟ کیونکہ تم پہلے ہی راہِ مستقیم پر چل رہے ہوگے۔ اور راہِ مستقیم پر چلنے کے لئے قناعت بہت ضروری ہے۔ کیونکہ قناعت ہی راستے متعین کرتی ہے۔ وگرنہ بغیر قناعت کے تو کبھی راستہ بھٹک جاتا ہے۔ اور کبھی راہی .... خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ راہی منزل سے دور۔ نہ راستہ منزل سے دُور ہو۔ آمین یا رب العالمین ؏

باب دوئم

ذاتی پیار

سہیل بیٹے! ذاتی پیار یا ذاتی محبت کی اگر ذرا سی وضاحت کر دوں تو اُمید ہے کہ تم پر طوالت گراں نہیں گزرے گی۔ محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک ذاتی محبت اور ایک محبت اغراض سے وابستہ ہوتی ہے۔ یا یوں کہو کہ اُس کا باعث چند عارضی باتیں ہوتی ہیں۔ جن کے دُور ہوتے ہی وہ محبت سرد ہو کر رنج و غم کا باعث ہو جاتی ہے۔ مگر ذاتی محبت سچی راحت پیدا کرتی ہے۔ چونکہ انسان فطرتاً خُدا کے لئے پیدا ہُوا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

مَا خلقت الجن والانس اِلا لیعبدون۔

اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کی فطرت میں ہی کچھ نہ کچھ اپنے لئے رکھا ہوا ہے۔ اور اپنے پوشیدہ اور مخفی در مخفی اسباب سے اُسے اپنے لئے بنایا ہوا ہے۔

تم نے جو اپنے سوال میں لفظ ذاتی پیار استعمال کیا ہے اس کا مطلب مَیں یہ سمجھتی ہُوں کہ دُنیا میں انسان کے ساتھ کچھ ذاتی اور عارضی محبتیں بھی وابستہ ہوتی ہیں۔ جو اُس کا ذاتی پیار کہلا سکتی ہیں اور غالباً تمہارے ذاتی پیار سے تمہاری یہی مراد ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور رسولِ خُدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی پیروی کے بعد اور آپ کے فرمودہ راستوں پر چل کر تم کچھ لوگوں سے

پیار کرتے ہو اور کچھ لوگ تم سے پیار کرتے ہیں۔ اور وہ تمہارے پیار کا جواب بھی ہوتا ہے اور فطری پیار بھی ہوتا ہے۔ کچھ عارضی اور کچھ مستقل محبّت کی منزلیں بھی تمہیں درپیش ہوتی ہیں جنہیں تم مختلف شاخوں میں بانٹ سکتے ہو۔ کیونکہ ہر محبوب کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے۔ وہ خود بخود تمہاری محبت کا رُخ اپنی طرف کر لیتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ ہر رُخ اگر الٰہی لائحہ عمل کے احاطہ میں سے گزر کر جاتا ہے تو خیر باشد۔ صد آفرین۔ دگرنہ خُدا حافظ۔

ہاں تو ایسا لائحہ عمل یعنی فرمودات خداوند عالم کے مطابق تمہارے پیار کے جواب الجواب میں ایک وجود ایسا بھی آتا ہے جسے عرفِ عام میں ساتھی یا بیوی کہتے ہیں۔ یہاں میں تمہارے ذاتی پیار کو بیوی کی طرف لے آتی ہوں۔ اور دیکھتے ہیں کہ تم اپنی محبت کے ساتھ کن راستوں پر چل کر سفر کا آغاز اور اختتام کرتے ہو۔

ماں سے بہن محبوب ہستی

پیشتر اس کے کہ ہم میاں بیوی کے سفر کا آغاز اور اختتام کریں۔ آئیے پہلے ہم محبُوب کی نشاندہی کر لیں۔ تاکہ سفرِ منزل آسان ہو جائے۔ تو جہاں تک محبوب کی نشاندہی کرنے کا تعلق ہے۔ بچے کے لئے سب سے پہلے تو ماں ہی اُس کا محبُوب ہوتی ہے۔ اور وہ ماں کا محبوب ہوتا ہے۔ ماں اس کی بچپن سے ہی آئیڈیل ہوتی ہے۔ وہ ماں سے پیار کرتا ہے اور تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ پیار کرتا ہے گو ماں کا پیار بہت گہرا اور حقیقی ہوتا ہے۔ وہ بے غرض اور والہانہ پیار کرتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اُسے اپنی صفتِ رحمانیت سے متصف کیا ہُوا ہے۔ اُسی کے پیار میں رتی بھر غرض کا شائبہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بچے کے پیار میں بعض

اوقات اتنی دُور چلی جاتی ہے کہ تربیت کی حدود سے بھی تجاوز کر جاتی ہے ۔ مگر یہ انجانے میں ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ جب وہ پیار بانٹتی ہے تو تمام تر تقسیم پیار میں اُسے اپنی اولاد ہی نظر آتی ہے ۔ اس لئے کئی بار وہ نادانی سے اخلاقی بلندیوں کی بجائے اخلاقی پستی کی طرف جانے کا موجب ہو جاتی ہے ۔ لیکن اگر وہ تربیت کرتے وقت محبّت کے ساتھ ساتھ اصلاح اور تربیت پر نظر رکھے تو بچہ شرافت و نجابت کی زندہ جاوید تصویر بن سکتا ہے ۔ انداز تربیت کے اسلامی اقدار کو مدِّ نظر رکھ کر اگر ماں بچے کو مثالی خادم بنا لیتی ہے تو پہلے عزیز ماں ہی بچے کی محبوب ترین ہستی بن جاتی ہے ۔ لیکن یہ محبّت تقاضۂ وقت کے مطابق خادم کچھ اس طرح تقسیم کرتا ہے کہ اُس کے محبوبات اور بھی ہو جاتے ہیں اور اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں ہوتا ۔ ماں ، باپ ، بہن ، بھائی اور عزیز و اقارب کے علاوہ ایک ایسی ہستی اُس کی زندگی میں داخل ہوتی ہے جو دائرہ محبوبات کو تنگ تر کر کے اپنے ہی گرد سمیٹ لیتی ہے ۔ چونکہ مجھے بمطابق سوال تمہارے ذاتی پیار یعنی تمہاری بیوی کا ذکر کرنا ہے اس لئے آئیے دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں بیوی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا حکم دیا ہے ۔ یہ یاد رہے کہ تم سے مراد میری قوم کی تمام نوجوان نسل ہے ۔ جو عموماً الرجال قوامون کے لباسِ فاخرہ میں ملبوس نظر آتی ہے ۔ گو یہ دو لفظ بزرگ حضرات کے لئے بھی بڑے فخر کا موجب ہیں لیکن ذرا خدام اس پر زیادہ ہی خوش نظر آتے ہیں ۔ سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ "عاشروھن بالمعروف" یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو ۔ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی سے سلوک کرنے میں بہتر ہو اور مَیں اپنے اہل کے ساتھ سلوک کرنے میں تم سب سے بہتر ہُوں (یعنی بہتر سلوک کا معیار میرا سلوک ہے) مَردوں

کو عورتوں کی حق تلفی سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ اُن سے حُسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ بیوی کے ساتھ جس کا عمدہ چال چلن اور اچھی معاشرت نہیں وہ نیک کہاں؟ دوسروں کے ساتھ نیکی اور بھلائی تب کر سکتا ہے جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا ہو اور عمدہ معاشرت رکھتا ہو۔ نہ یہ کہ ہر ادنیٰ بات پر زدوکوب کرے۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ ایک غصّہ میں بھرا ہُوا انسان بیوی سے ادنیٰ سی بات پر ناراض ہو کر اس کو مارتا ہے اور کسی نازک مقام پر چوٹ لگتی ہے اور بیوی مر جاتی ہے۔ اس لئے ان کے واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ عاشروھن بالمعروف۔ ہاں اگر وہ بے جا کام کرے تو تنبیہ ضروری چیز ہے۔

پس عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبت کے سلوک کا حکم ہے اور تاکیدی حکم ہے۔ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ اور اگر کوئی بات اُن کی تمہیں اچھی نہیں لگتی یا ناپسندیدہ ہے تو تم پھر بھی ہماری بات عاشروھن بالمعروف والی نصیحت کو مان لو کیونکہ یہ عورت کی سفارش ہے جو خُدا تعالیٰ خود کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ ان کی ناپسندیدہ کسی بات کے باوجود تم اگر اُن کا دھیان رکھو محبّت سے پیش آؤ اور مہربانی کا سلوک کرو تو یاد رکھو و یجعل اللہ فیہ خیرًا کثیرًا۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ تمہیں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ یعنی ایک چیز جو بظاہر تمہاری طبیعت پر گراں گزرتی ہے ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت و فضل سے وہ تمہارے لئے برکتوں کا موجب ہو اور باعث صد ثمرات ہو۔

بیوی دوسری محبُوب ہستی

قرآن مجید کی اس تاکیدی نصیحت کے بعد ہم آگے چلتے ہیں۔ خداوند عالم کے

ارشادات کی تعمیل کرتے ہوئے جب تمہیں رشتۂ زوجیت میں باندھ دیا گیا تو تمہیں علم ہے کہ تمہاری بیوی تمہارے پاس کن مراحل سے گزر کر آئی تھی۔ وہ کیسے تمہارے پاس پہنچی تھی اس لئے وہ کتنی محبت اور پیار کی مستحق ہے؟ کیونکہ اُس نے تمہیں جب حاصل کیا تو وہ گھڑی بیک وقت تمہارے ملنے کی تھی اور والدین و عزیز و اقارب سے بچھڑنے کی تھی۔ وہ ساعت اتنی کٹھن تھی کہ جب تم نے اُس کا دامن تھاما تو اُس کے محبوب بہن بھائی پیارے سے والد اور قربانی دینے والی بوڑھی ماں کے دامن میں سوائے اُداسی اور آنسوؤں کے کچھ نہ تھا۔ وہ نقشہ یاد کرو تم خود بھی رو دئیے تھے۔ کیونکہ ان جانے میں دل کی نرمی و مروت نے تمہاری آنکھوں کو بھی پُرنم کر دیا تھا۔ حالانکہ تم تو جیت کر چلے تھے۔ مگر تمہاری بھیگی ہوئی آنکھیں تو اگلے لمحے ہی خشک ہو گئیں جبکہ تمہارے ساتھی نے ساری رات سسکیوں میں گزار دی تھی۔ یاد رہے کہ تم نے کہا تھا کہ آنکھیں خشک کر دو میں تمہارے بھیگے ہوئے دامن کی قسم دنیا کی تمام خوشیاں تمہارے دامن میں ڈال دوں گا۔ کیونکہ تم اس وقت تو اُس دن علی النساء کے بلند بانگ دعوی دار کی حیثیت سے فاتح تھے۔

مگر

صبح ہوتے ہی تمہارے گھر والوں نے تمہیں پیغام دیا کہ جانتے ہو دلہن صاحبہ جہیز میں تمہارے جوڑے تو لائی نہیں۔ تمہارے بھی واجبی سے کپڑے ہیں۔ ہاں تو ELECTRIC GOODS بھی برائے نام ہیں۔ ارے بھیا وہ اسکوٹر بھی دیا نہیں ہے۔ یہ پیغام تمہارے لئے کوئی زیادہ قابلِ توجہ اس وقت ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ تم اپنی جیت پر شادماں نظر آ رہے تھے۔ لیکن ایسے ہی مختلف پیغامات موقع بے موقع تمہارے کانوں کو سنائی دیتے رہے تو تم متوجہ ہوئے۔ کہ سج آنے والی ہستی نے تمہارے پیار کی قدر نہیں کی ہے۔ آخر کیوں؟

یہ سوال کئی بار تمہارے دماغ کے کسی گوشے میں اٹکھیلیاں لیتا رہا۔ لیکن جس وقت تمہیں یہ یقین ہو گیا کہ "ہمیں ہمارے STATUS کے مطابق نوازا نہیں گیا" تو اُف یہ بے قدری۔ اُف یہ بے قدری کی گونج تمہارے اعصاب پر چھا گئی۔ اور تم نے ہمت کر کے ذہن سے کچھ وقت بعد پوچھ ڈالا کہ ماجرا کیا ہے؟ اور گھر والوں کے چند جملے شکایتاً تم نے دہرا دیئے۔ عورت کی فطرت میں خدا تعالیٰ نے ایثار و قربانی کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے اور احمدی بیٹی جو دنیوی علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم سے آراستہ و پیراستہ ہوتی ہے۔ اس انوکھی پوچھ گچھ پر زیادہ پریشان نہ ہوئی بلکہ ایک موزوں سا جواب دے کر تمہیں سمجھا دیا کہ معروف بات کیا ہے؟

لیکن یہ سمجھنا کچھ آسان نہ تھا کیونکہ ایک واہمہ تمہارے جذبات پر سوار ہو گیا تھا۔ ہر دوسرے چوتھے روز تکرار کا سلسلہ شروع ہوا۔ لیکن زیرِ بحث سامان کار و سکوٹر ہوتا کبھی ذہن کا مزاج ہوتا۔ فریقین ہوتے اور تعلیم کا امتیازی فرق ہوتا تھا۔ بگڑتے بگڑتے یہ دن رات کا تکرار ناخوشگوار مراحل میں سے گزرتا ہوا بیوی کی اُداسی اور بے رونقی کو سمیٹے ہوئے پیدائش کے دن پر جا ختم ہوا۔ قطع نظر اس کے کہ تمہاری پہلی اولاد بیٹی یا بیٹا تمہاری بیگم کے لئے ایک مصروفیت کا سامان مہیا کر گئی۔ آج تم بہت خوش ہو۔ اس سے پہلے تم اتنے خوش کبھی دیکھے نہیں گئے۔ ذمہ داری کے احساس کے ساتھ ساتھ گھن گرج کی آواز بھی تمہاری آواز میں آشامل ہوئی۔ تم نے خود کو بھلا کر بیگم کا خیال کیا۔ علاج معالجہ میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ تیمارداری بھی خوب کی۔ تم نے ثابت کر دیا کہ تم ایک عمدہ میل نرس کے فرائض باحسن ادا کر سکتے ہو۔

مگر افسوس! چند دن بعد کچھ تقاضے تمہارے وجود نے دہرانے شروع

کردیئے۔ اُدھر بیگم تمہاری اپنی پہلی اولاد کا چہرہ دیکھتے ہی ساری اس کی ہی ہوگئی اور اپنے فرائضِ منصبی پر تمام تر توجہ دے کر اپنا دن رات رعایا کو دے دیا تو تم ادھر بگڑے۔ یہاں میں تمہارے بچے کی ماں کی غلطی کا اقرار ضرور کروں گی کیونکہ اُسے تمہارا حق تمہیں دینا چاہیئے تھا۔ وہ نہ دے سکی۔ بچے کا حق بچے کو دینا چاہیئے تھا۔ والدین و سسرال کا حق انہیں دینا چاہیئے تھا اور اپنا حق خود لینا چاہیئے تھا۔ مگر ماں نے تمام محرومیوں کا علاج اپنے بچے میں ڈھونڈھ نکالا اور وہ تمام تر اس کی ہوگئی اور بچے کی مسکراہٹ نے اُسے وہ توانائی دی کہ کئی تلخیاں وہ بھول گئی۔ مگر یہیں سے اُس کی لاپرواہی اور تمہاری تلخی کا روزِ اوّل شروع ہوگیا۔

کیا تم بتا سکتے ہو کہ محبت کے بول تلخی کے تیروں میں کیوں تبدیل ہوئے؟

تلخی کے تیر

اصل میں تیسری دہائی میں داخل ہونے کے بعد اپنی زندگی کے چند سال تم نے اپنی محبت کے لئے کچھ سپنے دیکھے تھے۔ کچھ حسین خواب بھی نظر آتے تھے اور بڑے اُونچے اُونچے محل بھی تم نے تعمیر کئے تھے مگر سب بیوی کے آنے سے پہلے واقع ہوئے تھے۔ یہ وہ وقفہ ہے کہ یوں کہہ لیجئے کہ ع

"اک تیرے آنے سے پہلے اک تیرے آنے کے بعد"

ہاں تو یہ آنے کے بعد والے خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوئے۔ اور آنے کے بعد والا سال بھی زیادہ لمبا نہیں ہوا۔ اغلباً ۳۶۵ دن کا بھی نہیں تھا۔ کیونکہ تُم نے شروعات میں ہی اپنی دلچسپیاں بدل لیں۔ اور چند اختلافات کے بعد تُم ایسے موضوع کی تلاش میں رہنے لگے کہ کہیں تمہاری بیگم کو سُبکی محسوس ہو۔ اور

اُس کے ہوش ٹھکانے آجائیں۔

شروع کے دو تین سال اُس کے اختلافی حزب سسرال والے تھے۔ لیکن جلد تم تنہا مضبوط حزبِ اختلاف ثابت ہُوئے۔ دراصل یہ ایک COMPLEX تھا جو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ کبھی کبھی تم کھوکھلی مسرتوں کا ایک خول بھی چڑھالیا کرتے تھے۔ لیکن خول تو خول ہی ہوتا ہے بہت جلد کمزور پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا تم نے اپنی ساتھی کو اپنے دل و دماغ سے نکال کر تلخیوں کو پنپنے کے مواقع دے دیئے۔ کیوں ٹھیک تجزیہ ہے یا نہیں۔ سچ کہو۔

بعدہٗ اُس کا سچا پیار۔ خدمت اور محبت تمہیں تھوڑے ہی وقت کے بعد غیر ضروری معلوم ہونے لگے ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ تمہیں ایک COMPLEX نے جکڑ لیا اور اپنی گرفت تم پر اتنی مضبوط کر دی کہ اب تمہارے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والا معاملا ہے۔ اصل میں تمہیں خود نہیں پتہ چل سکا کہ یہ COMPLEX کن چور دروازوں سے تمہارے اندر داخل ہوا اور تمہارے وجود میں گھس بیٹھا۔ میں جہاں تک سوچ سکتی ہوں چند چور دروازے مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) اوّل چور دروازہ :۔ تمہارے ساتھی کی خوبصورتی۔ گورا رنگ اور لمبا قد وغیرہ۔

(۲) دوم چور دروازہ :۔ تمہارے ساتھی کی قابلیت و لیاقت۔

(۳) سوم چور دروازہ :۔ تمہارے ساتھی کی مصروفیت۔

(۴) چہارم چور دروازہ :۔ تمہاری نمود و نمائش کی ذاتی عادت۔

(۵) پنجم چور دروازہ :۔ گھریلو مسائل اور قوتِ فیصلہ کی کمی۔

گو میں تمام واقعات کا تجزیہ نہیں کر سکوں گی۔

تجزیہ نمبر ۱ :۔

ابتدائی ایّام میں چند کوتاہیاں تم سے سرزد ہوئیں اگر وہ نہ ہوتیں اور تم خود کو

منع رکھتے کہ یہ ایمان و یقین کے منافی باتیں ہیں تو تمہیں بہت جلد ایک روحانی
(یعنی نصیری) مدد حاصل ہو جاتی۔ مثلاً تمہارے لواحقین نے جب لینے دینے کے
حق میں درپردہ ایک مہم شروع کی تو تم حق کے اظہار کے لئے فوراً بول پڑتے اور
عملی رنگ میں بھی ثابت کر دکھاتے کہ تم میں خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کی کتنی
قوت ہے۔ کیونکہ تم جانتے ہو کہ یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر
ہی مومن کی شان ہے۔ اس شان کو تم برقرار رکھتے۔ بلکہ الٹا تم نے تقویٰ کے
خلاف ایک کمزوری دکھائی اور سوچ کو اپنا محور بنا لیا۔ کیا تم جانتے تھے کہ رسومات
کے خلاف تمہاری جماعت ایک جہاد کر رہی ہے اور اس وقت تمہارا فرض تھا کہ
اپنی امّی اور ہمشیرہ کو جذبات میں آنے سے منع کرتے اور انہیں لجنہ اماء اللہ کے
جلسہ و اجلاس کی کارروائیوں کی طرف متوجہ کرتے۔ ہُوا کیا! کہ تم اظہارِ امرِ حق میں
کمزوری دکھا گئے اور اس طرح کمزوری تم پر حادی ہو گئی۔

عزیزم! وہ تو تمہارے گھر میں خلیفہ وقت کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر
آئی ہے۔ وہ تمہاری دلی رفیق ہے۔ تمہاری مہمانِ عزیز ہے۔ احسان و مروت کو
اپنا شعار بنانے کی بجائے چند غلط فہمیوں پر تم نے اپنی زندگی کی بنیاد رکھ دی
تم تو جانتے ہو کہ رسول پاکؐ نے فرمایا ہے۔ خیرکم خیرکم لاھلہ یعنی
تم میں سے بہتر وہ انسان ہے جو بیوی سے نیکی سے پیش آئے۔ پھر دیکھو حضرت
بانیٔ سلسلہ احمدیہ کتنے واضح طور پر فرماتے ہیں :۔

"انسان کی بیوی ایک مسکین اور ضعیف ہے جس کو خدا نے اُس کے
حوالے کر دیا اور وہ دیکھتا ہے کہ ہر یک انسان اُس سے کیا معاملہ کرتا
ہے۔ نرمی برتنی چاہیئے۔ اور ہر یک وقت دل میں یہ خیال کرنا چاہیئے
کہ میری بیوی ایک مہمانِ عزیز ہے جس کو خدا تعالیٰ نے میرے سپرد کیا

ہے اور خُدا دیکھ رہا ہے کہ مَیں کیونکر شرائط مہمانداری بجا لاتا ہُوں۔ مَیں ایک خُدا کا بندہ ہوں اور یہ بھی ایک خُدا کی بندی ہے مجھے اِس پر کونسی زیادتی ہے۔"

سن لیا تم نے کہ کیسی تاکیدی اور مختصر بات بیوی کے حق میں فرمادی گئی ہے آپ نے تو یہانتک فرمادیا کہ درحقیقت میرا یہی عقیدہ ہے کہ انسان کے اخلاق کے امتحان کا پہلا موقع اس کی بیوی ہے۔

یہاں تیرا میرا سب کا جواب ایک جملہ میں آگیا کہ اگر کسی کے اخلاق و اقدار کی بلندی کو پرکھنا ہو تو اس کا اپنے گھر میں اہل وعیال سے جو رویہ اور طریقہ کار ہے اُسے جانچا جائے۔ (خیرکم خیرکم لاھلہ) فرمایا ہے۔ سرورِ کائنات نے (خیرکم خیرکم لمجلسہ) نہیں فرمایا۔

یعنی تمہاری ظرافت شگفتہ مزاجی وخلق تمہاری مجلس کے خدام میں مثالی ہو۔ اور قابلِ تحسین ہو مگر گھر میں قطعی مختلف ہو۔ ایسا ہرگز ہرگز نہیں فرمایا گیا۔

اوّل تو تم گھر میں داخل ہی بہت دیر سے ہوتے ہو باہر کی زمین تمہارے پاؤں پکڑ لیتی ہے۔ لیکن مجبورًا بیوی بچوں کی ذمہ داری اور محبت تمہیں اگر کھینچ بھی لاتی ہے تو رات دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں آتے ہو۔ کیونکہ تم تو مجالس کے ایک منظور و مقبول مرد ہو۔ اور گھر دیر سے داخل ہوتے ہی تمہارے تیور بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" والے مقولے پر عمل کر کے کوئی نہ کوئی بات ایسی شروع کر دیتے ہو جس سے بیوی بچے سو جانے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔

میرے عزیز! یہ بانیں کہ بیوی کو محض اپنا خدمت گذار خیال کرنا اور گھر میں دوسرے درجے کا فرد خیال کر لینا اسلامی شعائر کے خلاف ہے۔ رسُولِ پاکؐ

سارے باتوں کے لئے کامل نمونہ تھے اور ہیں۔ آپ کی زندگی میں دیکھو تو حیران
ہو جاؤ گے۔ کہ بیوی تو بڑی بات ہے۔
آپ تمام عورتوں کے ساتھ بہت اعلیٰ اور معیاری معاشرت کرتے تھے۔
آپ کے اخلاقِ حسنہ کا مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اگر کوئی ضعیفہ عورت
بھی آپ کو کھڑا کرتی تو آپ اس وقت تک کھڑے رہتے۔ جب تک کہ وہ اجازت
نہ دیتی۔ بیوی کے متعلق جو نقشہ تمہارے ذہن میں بیٹھا ہے اُس کو سنوارنے کے
لئے حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں کہ:-

"جب میں کبھی اتفاقاً ایک ذرہ درشتی اپنی بیوی سے کروں تو میرا
بدن کانپ جاتا۔ کہ ایک شخص کو خدا نے صدہا کوس سے میرے
حوالہ کیا ہے شاید معصیت ہوگی کہ مجھ سے ایسا ہوا تب میں اُن کو
کہتا ہوں کہ تم اپنی نماز میں میرے لئے دُعا کرو کہ اگر یہ امر خلافِ
مرضی حق تعالیٰ ہے تو مجھے معاف فرمائیں اور میں بہت ڈرتا ہوں کہ ہم
کسی ظالمانہ حرکت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ سو میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ
بھی ایسا ہی کریں گے۔ ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کس قدر اپنی بیویوں سے حلم کرتے تھے۔ زیادہ کیا لکھوں۔"
(تفسیر سورۃ النساء: ۲۳)

جیسا کہ میں پہلے ہی تمہیں بتا چکی ہوں کہ قرآن مجید ایک علم ہے اور حضرت محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک عملی نمونہ ہیں۔ جو ہمارے سامنے ہے اسی مقدس
نمونے کو آگے لے کر جب چلتے ہیں تو اپنی حالتِ معاشرت جو بیوی کے ساتھ ہے
اس پر ہمیں غور کرنا پڑتا ہے۔
خدا تعالیٰ ہمیں توفیق عطا کرے کہ ہم سچی اتباع ہر حالت میں کر سکیں۔

تجزیہ نمبر ۲ :-

ایک اور بات میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ تم نے بیوی کا انتخاب کرتے وقت بھی ایک غلطی کی ہے ۔ تمہیں یقیناً یہ حق حاصل ہے کہ اپنی زندگی کے ساتھی کو منتخب کرتے وقت چار باتوں کو ملحوظ رکھو ۔ مگر حدیث کی رُو سے اوّلیت دین کو ہی حاصل ہے ۔ مگر ہُوا کیا ؟ تم نے اوّلیت خوبصورتی و حسن جمال کو دے دی ۔ اور ثانوی حیثیت اخلاق و سیرت کو دی ۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ صورت و سیرت کا یکجا حاصل ہو جانا ضرور ممکنات میں سے ہیں ۔ مگر ایک بہت ہی خوش نصیب کو یہ انعام ملتا ہے ۔ تم جہاں تک مجھے یاد ہے خوبصورتی کے زیادہ دلدادہ تو نہ تھے ۔ خوش ذوق ضرور تھے اور اکثر خوبصورتی کو دیکھ کر واپس مڑ کر دیکھا بھی کرتے تھے ۔ مگر حسن کے سچے دادخواہ نہ تھے ۔ تم نے کئی بار دورانِ گفتگو اپنا نظریہ خوبصورتی بڑے منجھے ہُوئے لفظوں میں دہرایا بھی تھا ۔ مگر گھر کے شوقین لوگ خوبصورتی کو معیار بنا کر اضافی حُسن آنکھوں میں بسا کر تلاشِ رشتہ میں نکل پڑے ۔ تمہاری امّی چونکہ خود واجبی شکل کی مالک تھیں ۔ زمانے کے نشیب و فراز نے ان کے جمال کو تو زخمی کر دیا ۔ مگر جمالیاتی ذوق کو برقرار رکھا ہُوا تھا ۔ وہ اس لئے حسن و جمال کی تلاش میں نکلیں کیونکہ انہوں نے اپنے ساتھ ایک خوبصورت سہارے کی ضرورت محسوس کی جو مجلسوں میں انہیں نمایاں مقام دے سکے ۔ وگرنہ کوئی خاص عمل اس کے پیچھے کارفرما نہیں تھا محض اپنی انا کو تسکین دینے کے لئے وہ ایک حسین و خوش رنگ بہو کی تلاش میں کئی گھروں میں جاتی ہیں ۔ انہوں نے تو حد یہاں تک کر دی کہ ایک عزیزہ کو خوبصورت و خوب سیرت صفات کا مرکب پا کر بھی اُس کی چھوٹی بہن پہ نظرِ کرم گاڑ دی کیونکہ وہ عمر کی چھوٹی تھی ۔ جلدی سے ان کی رائے اور خیالات کو خیر مقدم کہہ سکتی تھی ۔ چھوٹی بہن ہماری ہی بیٹی تھی مگر بہرحال بڑی بہن کی سنجیدگی و وقار تک پہنچنے میں ابھی

اُسے ایک عرصہ درکار تھا۔ چنانچہ عزیزہ ثانی تمہارے گھر آگئی۔ اب تم زیادہ تر اُس کے سفید رنگ اور نفیس خدوخال سے بہت متأثر ہوئے تمہیں یاد ہے کہ شروع کے دنوں میں تم یوں گمان کرتے تھے کہ کوئی پری تمہارے صحن گلشن میں اُتر آئی ہے۔ یہاں سے ہی تمہارے گھر والوں کو کچھ الجھنیں شروع ہوگئی تھیں۔ مزید برآں تمہاری تمام تر توجہ کا مرکز جب عزیزہ ہی ٹھہریں تو تمہاری امّی جان کو ایک اور محاذ پر پاؤں جمانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور وہ محاذ تھا۔ کار، کپڑے، مکان اور اسکوٹر وغیرہ کا۔ عزیزہ دلہن کے لمبے قد اور سفید رنگ نے کچھ دن تو تمہاری آنکھوں کو بھی چمکا یا ہوا تھا۔ بالآخر ایک دن تم ایسی غلطی کر بیٹھے جو توکل علی اللّٰہ کے خلاف تھی وہ دن تمہیں یاد ہوگا ہی نا کہ تم دو چار ہفتوں کے بعد اُن سہولتوں کے لئے سوال کر بیٹھے جو بحیثیت قوامون حق تمہارا تھا کہ اُسے مہیّا کرتے۔ مگر ہندو معاشرہ کو اپنانے والے نوجوان تم نے تو نئی نویلی دلہن سے ELECTRIC GOODS، جوڑے گھوڑے مانگ لئے۔ آخر کیوں؟ کیا تم جواب دے سکتے ہو؟ یقیناً نہیں! کیونکہ یہ مکروہات تھیں اور خلاف حق بات تھی۔ ایک بات اور سنو۔ اس میں زیادہ تر ہاتھ تمہارے گھر والوں کا ہے۔ اگر یہ کہیں کہ ۷۵٪ غلطی اُن کی تھی جنہوں نے بات کو طول دے کر رسومات کے طوق تمہارے گلے میں ڈال دیا۔ اور ۲۵ فیصد غلطی تمہاری تھی کہ تم نے غیر معمولی مطالبہ کر ڈالا۔ تم جانتے ہو کہ یہ مکروہات بظاہر چھوٹی باتیں تھیں مگر نتائج خطرناک تھے۔ وسعتِ حوصلہ اور عظمتِ افکار و تدبیر کی بناء پر تمام تر ذمہ داری تمہارے کندھوں پر آجائے گی۔ ہزار تم امی جان اور بہنوں کا قصور تصور کرو مگر گھر کس کا خراب ہوا۔ تمہیں بھی خوبصورتی وغیرہ بھول گئی اور دولت و مطالبات کا قصیدہ یاد رہا اور شاید تمہیں اندازہ ہو سکے کہ شکستہ دلی

اور انتشار ذہن کے درمیان فاصلہ بہت کم ہوتا ہے۔ یعنی جب معدہ درمیان اور کمزور طبیعت حالات پر قابو نہیں پا سکتی تو انتشار میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس انتشار کا انجام عموماً DEPRESSION اور دل کا ٹوٹ جانا ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جب تمہاری بیگم DEPRESSION کا شکار ہو گئی تو غلطی پر غلطی اس سے ہونے لگی۔ دراصل تمہاری غلطی اس کی دفا پر چوٹ لگا رہی تھی۔ اور وہ پریشان رہنے لگی۔ اصل میں تمہاری یہ غلطی خدا تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات پر توکل نہ ہونے کے نتیجہ میں تھی۔ چونکہ اسباب ظاہری پر حد سے زیادہ بھروسہ اور اعتماد کرنے کا نام توکل نہیں بلکہ "اسباب ظاہری کو استعمال کر کے خدا تعالیٰ پر اعتماد کرنے کا نام توکل ہے"۔ مگر تم نے اسباب ظاہری پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کر کے شرک کی طرف قدم اٹھایا بیوی کسی کو کیا دے سکتی ہے؟ نہ وہ معاشرہ کا کمانے والا وجود ہوتا ہے۔ ماں باپ کے گھر سے کچھ تحائف اور یادیں وہ لاتی ہے۔ اس کے بعد کا تقاضا تو بھیک ہے۔ جو مردِ محترم کو زیب نہیں دیتا۔ تم تو بحیثیت عباد الرحمٰن اپنے خدا تعالیٰ کی ذات پر توکل رکھنے والے تھے تمہیں کیا ہوا کہ تنکوں کا سہارا لینے لگے؟ تم تو جانتے ہو کہ وَمَن یَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔ یعنی خدا تعالیٰ متقی کا خود محافظ ہوتا ہے۔ اور اُسے ایسے مواقع سے بچا لیتا ہے جو خلافِ حق پر مجبور کرنے والے ہوں۔ لیکن تم تقویٰ سے دُور چلے گئے کیونکہ متقی ضرورتوں کا محتاج کم ہوتا ہے۔ تم نے ضرورتوں کو اتنا پھیلا لیا کہ بیوی جسے تم ضعیفہ و مسکین خیال کرتے ہو اُسی کے محتاج ہو گئے۔ حالانکہ بیوی کے سامان و روپیہ پیسہ پر تکیہ کرنے والوں کو حضور خلیفۃ المسیح الرابع نے "لٹیرے" کا نام دیا ہے۔

خدمت کے ذریعے قیادت

آپ نے بہت تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے ایسے شخص کے لئے بہت درد مند دل سے کچھ جملے کہے ہیں - ذرا تم بھی مکرر سن لو - آپ فرماتے ہیں - کہ سیّد القومِ خادمُہُم - حدیث کا مطلب کیسا واضح فرمایا ہے :-

"آپ کو تو خدمت کے ذریعہ قیادت نصیب ہوئی ہے اس فضیلت کا قرآن مجید نے بھی ذکر فرمایا ہے - مگر خدمت کے بجائے عورت کے پیسے چھیننے شروع کر دیں اور اُس کی کمائی پر نظر رکھیں اور شادی کے وقت یہ غور کریں کہ فلاں عورت ڈاکٹر ہے فلاں اُستانی ہے وہ گھر میں آئے گی اور اس کی تنخواہ سے کر اپنی زندگی سنوار کر اپنے ماں باپ پر خرچ کریں گے - تو آپ نہ اُس کے نوکر ہیں نہ اُس کے سردار ہیں - آپ تو لٹیرے بن جائیں گے - ایک ایسا تعلق قائم کریں گے جس کی خدا اجازت نہیں دیتا"

(خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ۲۵ مارچ ۱۹۸۸ء)

ایک بات میں تمہیں مکرر کہوں گی کہ اس میں تمہارے لٹیرے پن میں تمہاری امی جان کا بھی ہاتھ ہے - کیونکہ

"اکثر مطالبوں کا آغاز ساسوں سے ہوتا ہے - یعنی بیٹے کی ماں کی طرف سے ہوتا ہے ....

تمام بداخلاقیوں کو بدرسموں کو ان جہالتوں کو جو اسلام سے پہلے کی باتیں ہیں - ان سب کو اتار کر جو ٹوکریاں گندگی سے ہم لئے پھرتے ہیں

ان کو اتار پھینکنا چاہیئے۔ یاد رکھیں! بدیاں گھروں میں پیدا ہوتی ہیں پھر گلیوں میں نکلتی ہیں پھر شہروں کو گندہ کردیتی ہیں۔

مجھے پتہ چلا کہ بسا اوقات ایسے مرد کمزور ہیں جن کی بیویاں یہ مطالبے کرتی ہیں۔ اور اُن کے بیٹے ۱۰۰ فی صد اُن کے غلام ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ نیکی اسی بات میں ہے کہ ہر بات میں اطاعت کرو۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اطاعت اُس حد تک فرض ہے جہاں تک اطاعت خُدا کی اطاعت سے باہر نہ نکالے۔ جہاں ماں باپ کی اطاعت تمہیں خدا کی اطاعت سے باہر نکلنے پر مجبُور کرے وہاں تم نے خُدا کی اطاعت کرنی ہے ماں باپ کی اطاعت نہیں کرنی۔ ...... اُس کے نتیجہ میں سارے معاشرہ پر ساری سوسائٹی پر نہ ختم ہونیوالے مظالم کی داستان شروع ہو جاتی ہے۔ اس لئے بدخلقی کو روکنا ہے تو سب سے پہلے گھروں کے ماحول کو آپ سنبھالیں اور گھروں کو بداخلاق بنانے والے جتنے بھی محرکات ہیں ان کا گلہ گھونٹ دیں۔ اُن کو جب تک آپ ختم نہیں کرتے نیست و نابود نہیں کرتے قلمی جہاد کے کوئی بھی معنیٰ نہیں ہیں۔ ...... تجزیہ کریں۔ جسطرح مَیں تجزیہ کرنے کی کوشش کرتا ہُوں اور معلوم کریں کہ آپ کے اپنے اپنے علاقے میں بدخلقی کے اصل محرکات کیا ہیں۔ کیوں بدخلقیاں رائج ہیں اور اُن کا تجزیہ کرکے اُن کے خلاف کارروائی کریں۔ .... بداخلاقی کے ساتھ اگلی صدی میں داخل ہمیں نہیں ہونا چاہیئے۔"

(خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۸۸ء)

باب سوم

علاماتِ عباد الرحمٰن

پیشتر اس کے کہ میں تیسرے تجزیے کا تمہارے سامنے ذکر کروں - مجھے یاد آیا کہ ایک بات جو وضاحت طلب تھی اور ابتدائی مراحل میں ہی تمہیں وہ باہوش وحواس سننی چاہیئے تھی - میں بتانا بھول گئی - لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اب بھی وہ دل کی گہرائی سے علم الیقین سے اور تجرباتِ زمانہ سے تفصیلاً تم ذہن نشین کر لو تو زیادہ دیر نہیں ہوئی - اور حق بات سننے میں دیر کبھی بھی نہیں ہوتی - عمل کرنے میں دیر نہیں ہونی چاہیئے -

عزیزم! بات یہ ہے کہ تم خدا تعالیٰ کے سچے بندے ہو اور عباد اللہ کے زمرے میں آتے ہو - دیکھنا یہ ہے کہ تم بحیثیت عبدالرحمٰن ان تمام صفات سے متصف بھی ہو جو قرۃ العین ساتھی کا مطالبہ خدا تعالیٰ سے کر سکو - کیونکہ

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ
اَعْیُنٍ وَّ جْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا -

صرف اللہ تعالیٰ کے وہی بندے مانگتے ہیں جو عبدالرحمٰن ہوتے ہیں - اور قرۃ العین اپنی خوش نصیبی چاہتی ہے - کہ دعاؤں کے جواب میں خدا تعالیٰ نے ایک ساتھی عبیداللہ کے "حوالے" اُسے کر دیا ہے - قرۃ العین کی صفات

کا ذکر میں نے اپنی کتاب قرۃ العین میں تفصیلی کر دیا تھا تم نے ضرور پڑھا ہوگا۔
سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام اوصاف سے متصف بھی قرۃ العین اگر عبیدالرحمٰن کے حوالے نہ ہوئی تو کیا عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے؟ بعدۂ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے پہلے میں اپنے خدام کو وہ آئینہ ضرور پیش کروں گی۔ جس میں وہ خود کو اُس مقام پر دیکھ سکیں جو عبیدالرحمٰن کے لئے خُدا تعالیٰ نے اپنے قرآن پاک میں وضاحت و تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔
سہیل! ایک بات نوٹ کر دو کہ میں عبد کو عباد لکھوں تو تمہارے لئے ضروری نہیں کہ تم جمع کا صیغہ قرار دو بلکہ ایک عبدالرحمٰن نام کے خادم کو عبادالرحمٰن بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں خادم مِن حیث القوم نمائندگی کر رہا ہے۔ اچھا تو اللہ تعالیٰ نے سورہ فرقان میں عبادالرحمٰن کی کچھ خصوصی علامات بتائی ہیں۔ جن کو میں درج کرتی ہوں۔ تاکہ تمہیں اپنی شناخت میں سہولت میسّر آ جائے۔ تم پر واضح ہو کہ بعض وجوہات کی بناء پر میں ترتیب قائم نہیں رکھ سکتی۔ خاطر شمار نمبر دے رہی ہوں۔

۱۔ سچّے موحد

عبادالرحمٰن کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ توحید کے مینار پر کھڑے ہیں۔ وہ خُدائے واحد و یگانہ کی ذات پر کامل یقین رکھتے ہیں اور ایمانِ پختہ کو اپنے سینے سے لگا کر ہر ممکن قربانی پیش کرتے ہیں۔ لیکن کبھی بھی شرک نہیں کرتے۔ خُدا تعالیٰ کی محبت میں اتنے سرشار ہوتے ہیں کہ اگر جان پیش کرنے کا موقع آ جائے تو دریغ نہیں کرتے وہ مختلف مواقع پر مختلف قسم کی قربانی کرتے ہیں۔ ان کی قربانی کا معیار بلند سے بلند تر ہوتا جاتا ہے۔

جہاں جسمانی قربانی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اپنے بہترین اعمال پیش کرتے ہیں - جہاں مال کی قربانی کا تقاضا ہوتا ہے وہاں مال پیش کرنے میں سبقت لے جاتے ہیں - کیونکہ اسلام ہر وقت ایک قسم کی قربانی کا مطالبہ نہیں کرتا - بلکہ مختلف حالات میں مختلف قسم کی قربانی کا تقاضا کرتا ہے -

۲ - کوہِ وقار

پھر فرماتا ہے کہ میرے بندوں کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ جب وہ چلتے ہیں تو سکون اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں - اپنی دنیوی زندگی بڑے اعتدال کے ساتھ بسر کرتے ہیں - یعنی بے جا غضب اور تیزی سے کام لے کر لوگوں پر ظلم نہیں کرتے نہ سُستی اور جمود سے کام لے کر اپنے مفوضہ فرائض سے غافل ہو جاتے ہیں - اور جب کبھی جاہل لوگ چاہتے ہیں کہ انہیں اپنی حرکات سے جوش دلائیں - اور کوئی جھگڑا یا فساد کھڑا کریں - تو وہ طیش میں آکر ناجائز اور اوچھے ہتھیاروں پر نہیں اترتے "

پھر ان کی رُوحانی حالت کا ذکر کرتے ہُوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - کہ مومنوں کو جب غلبہ حاصل ہوگا تو ایسی حالت میں بھی وہ کسی کے خطاب جہالت پر بُرا نہیں منائیں گے - بلکہ اُن کی سلامتی اور تحفظِ حقوق کو مدِنظر رکھیں گے - کیونکہ غلبہ کے وقت ہی انسان کے اعلیٰ اخلاق کا پتہ چلتا ہے -

۳ - غنی النفس

پھر عباد الرحمٰن کی نشاندہی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ان کی ایک اور علامت بتا کر ان کی شناخت کرواتا ہے - فرماتا ہے کہ :-

وہ مال کے ساتھ چمٹے نہیں رہتے بلکہ اُسے مسکینوں ۔محتاجوں اور رشتہ داروں کے لئے خرچ کرتے ہیں ۔ مال سے ضروری سہولتیں حاصل کرتے ہیں اور اسراف و بُخل سے بچ کر رہتے ہیں ۔ مال جمع کرنا عیب نہیں ہے بلکہ جائز مصارف میں ہاتھ روک لینا معیوب ضرور ہے ۔اس لئے میانہ وری بہترین عمل ہے ۔سو عباد الرحمٰن یہی معروف عمل کرتے ہیں ۔

۴ ۔تہجد گزار

وہ لوگ اپنی تشخص کی ایک یہ بھی علامت رکھتے ہیں کہ اپنی راتیں خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ و قیام کرتے ہُوئے گزارتے ہیں ۔یعنی مصائب اور مشکلات کے ادوار میں جو رات کی تاریکیوں سے مشابہت رکھتے ہیں ۔ دعاؤں اور گریہ زاری سے کام لیتے ہیں ۔ اور خُدا تعالیٰ کے آستانہ پر جھکے رہتے ہیں ۔

۵ ۔ طالبِ رضائے الٰہی

وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں کہ اے خُدا عذابِ جہنم کو ہم سے دُور رکھ ۔ کیونکہ جہنم کا عذاب بڑی تباہی ہے اور جہنّم بہت بڑا ٹھکانہ ہے ۔ یعنی وہ اُٹھتے بیٹھتے بُرے افعال سے بچنے کی دعائیں مانگتے ہیں ۔ افلاس اور تنگ دستی کے جہنّم سے نجات طلب کرتے ہیں ۔ جہالت ، بداخلاقی ، کم علمی کے جہنّم سے بچا ۔ اے خُدا تو ہمیں ہوس پرستی اور دنیا داری کے جہنم سے بچا ۔ ہمیں منافقت اور بے ایمانی کے جہنم سے بچا ۔خود سری اور جھوٹ اور ظلم تعدّی کے جہنّم سے بچا ۔ ہمیں اپنی محبت اور رضا کی دُوری کے جہنّم سے بچا ۔ آمین ؂

۶۔ سکون کے ضامن

مندرجہ بالا علامات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کی ایک اور علامت کا ذکر فرماتا ہے کہ عباد الرحمٰن عدل و انصاف کے علم بردار بھی ہوتے ہیں ۔ اور اُن کا وجود امنِ عالم کے قیام کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔ **وہ سیدھے راستے کو اختیار کرتے ہیں اور ٹیڑھے راستے پر کبھی نہیں چلتے**۔ توبہ و استغفار اُن کی زندگی کا معمول ہوتا ہے ۔ کیونکہ توبہ اصلاح کا حقیقی علاج ہے ۔ اور مایوسی کو دُور کرنے کا ایک زبردست ذریعہ ہے۔ جو انسان کو کوشش اور ہمّت پر اُکساتا ہے ۔

۷۔ سچائی شعارِ زندگی

یہاں عباد الرحمٰن کی ایک اہم علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمائی ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے ۔ ہمیشہ سچ ان کا شعارِ زندگی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ توحید کے بعد سب سے بڑی نیکی اور سب سے مشکل کام جو اس دنیا میں انسان کے سامنے پیش آتا ہے وہ **سچائی ہی** ہے ۔ ہزاروں انسان ایسے دیکھے جاتے ہیں جو رحم کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ انصاف کرنے والے بھی ہوتے ہیں ۔ لیکن جب انہیں گواہی دینی پڑے اور وہ یہ دیکھیں کہ اُس کے نتیجہ میں اُن کی ذات کو یا اُن کے کسی رشتہ دار اور دوست کو نقصان پہنچے گا تو وہ اس میں کچھ نہ کچھ ضرور تبدیلی کر دیں گے۔ لیکن عباد الرحمٰن کبھی جھوٹی گواہیاں نہیں دیتے ۔ اور لغویات سے قطعی پرہیز کرتے ہیں ۔ یعنی خدا تعالیٰ کے بندے صداقت اور راست بازی کی مشق کر کے سچ کے اتنے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔ کہ

نتائج سے بے خبر وہ سچ بولتے رہتے ہیں۔ یہاں یہ مت خیال کرنا کہ سچ بولنے پر پھانسی ملتی ہے۔ جو سچ بولنے والا شخص ہو وہ ایسے کام ہی نہیں کرتا جن کے نتیجہ میں اُسے پھانسی ملے اور جھوٹ بولنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے جھوٹ بولا تو شاید بچ جاؤں۔ اس لئے وہ دلیری سے ایسے افعال میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جن کے نتائج بعض اوقات نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔

پس سچائی وہ صدق اخلاقِ حسنہ کا ایک بنیادی حصّہ ہے اس لئے انبیاء علیہ السلام نے بھی اس پر بہت زور دیا ہے۔

۸۔ بزرگانہ انداز

عباد الرحمٰن کی ایک اور علامت کا ذکر قرآن مجید فرماتا ہے کہ جب وہ لغو باتوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو دنیوی لذّات سے متاثر ہو کر اُن میں شامل نہیں ہو جاتے بلکہ نہایت **بزرگانہ انداز میں** سے گزر جاتے ہیں۔ لغویات کی تشریح میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے سب سے زیادہ لغو سینما کو قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"سینما ملک کے اخلاق پر ایسا تباہ کُن اثر ڈال رہے ہیں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر میری طرف سے ممانعت نہ ہوتی تب بھی ہر سچے اور مخلص مومن کی رُوح اُس سے اجتناب کرتی۔"

چنانچہ یہ ایک بدترین لعنت ہے جس نے سینکڑوں شریف گھرانوں کو تباہ کر دیا ہے۔

دوسرے نمبر پر لغویات میں قمار بازی اور جوأ شامل ہے۔ اور آجکل یہ اتنا محبوب مشغلہ ہو گیا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں کسی نہ کسی طرح داخل

ہو گیا ہے۔ لاٹریاں وغیرہ بھی اس کی ایک قسم ہے۔ ریس جوا بالعموم عقل اور فکر کو کمزور کر دیتا ہے۔ اسی طرح تیسری لغو چیز ناچ دکھانا ہے اور ناچ وگانا میں شمولیت بھی اتنی ہی مخرب الاخلاق ہے جتنا کہ خود ناچنا اور گانا گا کر سنانا۔ اس ناچنے گانے کی لعنت سے نوجوانوں کے اخلاق بگڑ گئے ہیں۔ اور مال تباہ ہو گیا ہے۔ علم وعمل سب چیزوں کو خیر باد کہہ کر نوجوان طبقہ میوزیکل گروپ میں شمولیت کر رہا ہے۔ جس کا نشہ یوتھ کو وہاں لے گیا ہے جہاں سے اب واپس آنا ناممکن ہے۔

پھر یہ نشہ کسی قسم کا بھی ہو **لغویات کی بنیادی اینٹ ہے** جس نے معاشرہ کو تباہ کر دیا ہے۔ شادی شدہ غیر شادی شدہ تمام نشہ پورا کرنے کے لئے دولت کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اور تباہی کو گلے سے لگا رہے ہیں۔ ایک اور علامت عباد الرحمٰن کی نشاندہی کا نظارہ پیش کرتی ہے۔

۹۔ احترامِ قرآن

عباد الرحمٰن اپنے رب کی آیات کو احترام سے سُنتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ عباد الرحمٰن خُدا کی آیات سُن کر بہرے اور گونگے نہیں ہو جاتے بلکہ کان اور آنکھیں کھول کر آیاتِ الٰہیہ کو سُنتے اور روحانی بصیرت کے ساتھ اُن سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ گویا عباد الرحمٰن کی یہ بھی خوبی ہے کہ جب قرآن مجید کی باتیں مومنوں کے سامنے بیان کی جاتی ہیں تو وہ اُنہیں اندھا دھند نہیں مانتے بلکہ سوچ سمجھ کر اور دلائل کے ساتھ مانتے ہیں۔ وہ سچا ایمان رکھتے ہیں اپنے رب کی تعریف اور تسبیح کرتے ہیں اور تکبّر سے کام نہیں لیتے۔ جزع فزع نہیں کرتے اور بزدلی کا

اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے نشانات سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور دین کے لئے قربانی پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی آواز پر لبیک کہنے والے ہوتے ہیں۔ کبر و رعونت کا کوئی شائبہ ان کے دلوں میں نہیں پایا جاتا۔ یعنی وہ اپنی روحانی بینائی میں ایسی تیزی پیدا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت کے میدان میں وہ پہلے سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔

۱۰۔ دُعاگو

عزیزم اصغر سے ایک اور علامت بھی عبادالرحمٰن کی سنیں جو اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں وہ تمام تر صفات و علامات اس لئے ہوتی ہیں کہ وہ تمام باقی مخلوق سے ممیز کیئے جاسکیں اور شناخت کیئے جاسکیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خُدا تعالیٰ کی صفات سے جو اُس نے بتائی ہیں متصف ہوتے ہیں اور رُوحانی دُنیا میں ایک عظمت و رفعت کا مقام ان کو نصیب ہوگیا ہے۔ اس مقام کو حاصل کرکے وہ خُداوند تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتے ہیں۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کی فرمودہ تمام تر صفات و خوبیاں سمیٹے ہُوئے زید یا بکر خدا کے آستانہ پر جھکتے ہیں اور جھولی پھیلا کر قرۃ العین کی بھیک مانگتے ہیں تو خدا تعالیٰ جو بندہ کو اپنے دربار سے خالی نہیں لوٹاتا یا کرتا بھلا اپنے خاص الخاص بندے کو کیسے ناکام چھوڑ دے گا۔ یہ تو اس کی صفت کے منافی ہے۔ کہ زید اور بکر تمام صراطِ مستقیم کے راہی ہوں۔ تقریباً تمام تر عبادالرحمٰن کی علامات کے متحمل ہوں اور پھر بھی دربارِ ربّی سے خائب و خاسر لوٹ آئیں۔ ہاں البتہ کبھی کبھی امتحان کے طور پر خدا تعالیٰ اپنوں کو آزماتا ضرور ہے۔ کیونکہ ابتلا بھی ترقی کا ایک زینہ ہے اور ابتلاء میں سے مومن ہی گذرا

کرتے ہیں۔ بالآخر کامرانی ان کا مقدر ہو چکی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ لِنَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ (سورۃ فلق : ۳)
یہ کہ آزمائش کا قانون خُدا نے اس لئے بنایا ہے کہ ایمان کا کوئی نیک نتیجہ نکالے۔ اور ہمیں اُس کے بدلے میں انعامات دے۔ چنانچہ کبھی کبھی یعنی شاذ ہی عبادالرحمٰن قرۃ العین نہ ملنے کی آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ ابتلاء اُس کے کسی ذاتی نقائص کی بناء پر نہیں بلکہ قرآن مجید کے فرمان کے مطابق :-

اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ (تغابن : ۱۵)
کے ماتحت یہ بھی اُس کی آزمائش کا وقت ہی ہے اور اس کٹھن آزمائش میں۔

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا (سورۃ تغابن : ۱۵)
کے مطابق اگر زید یا بکر مناسبِ حال عمل کرتا ہے تو قرۃ العین نہ ملنے کے باوجود خُدا اُس کی ڈھارس باندھ دیتا ہے اور زندگی کے کئی باقی شعبہ جات میں اُسے سربلندی عطا کرتا ہے۔ تا جو خلا قرۃ العین نہ ملنے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا وہ پُورا ہو جائے۔

سہیل عزیز! یہ بات واضح کردوں کہ جس قرۃ العین کا ذکر کر رہی ہُوں اس کی نشاندہی اور شناختی علامت کا ذکر "قرۃ العین" میں کر چکی ہوں لہٰذا یہ طویل اور تھکا دینے والا مرحلہ ہوگا۔ اگر مَیں دوبارہ قرۃ العین کی خوبیاں بیان کروں اور عبادالرحمٰن کے لئے ان کا پرکھنا دوبارہ درج کروں۔ ہاں ایک بات برسبیل تذکرہ کردوں تو میرا خیال ہے کہ یہ بے جا نہ ہوگا۔
جہاں عبادالرحمٰن کی علامت آخری یہ ہے کہ وہ تمام اوصاف سے متصف

ہو کر دُعا بھی کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انہیں قرۃ العین عطا فرمائے اور کبھی کبھی جیسے کہ مَیں نے اُوپر لکھا ہے کہ ان کی دُعا اُسی رنگ میں قبول نہیں ہوتی کسی اور رنگ میں پوری ہو جاتی ہے۔ VICE - VERSA

ہوتا کیا ہے کہ بعض اوقات قرۃ العین جب تمام اوصافِ حمیدہ اور مثالی خوبیاں اور شناختی علامت سمیٹے ہُوئے شوہر کے گھر جاتی ہے یا اس کے حوالے کر دی جاتی ہے تو وہ کئی بار ناکام ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس کا ساتھی عباد الرحمٰن میسر نہیں آتا۔ اور وہ ایک ایسی کشمکش میں مبتلا ہو جاتی ہے جو ایک ابتلاء سے کم نہیں ہوتی۔

عزیزم! مَیں یہ کہہ چکی ہُوں کہ ایسے ابتلاء عباد الرحمٰن کو بھی پیش آتے ہیں۔ مگر بہت کم۔ اور یہ ابتلاء کا زمانہ قرۃ العین کے لئے زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ اور عموماً زیادہ تعداد میں ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ اچھا بھلا شوہر کبھی شہرت کے چکر میں پھنس جاتا ہے۔ کبھی مال کی دَوڑ میں لگ جاتا ہے۔ کبھی کبھی شہرت نہ مال۔ عزت نہ دولت بلکہ کسی عورت کے چکر میں پھنس کر ذہنی طور پر گھر سے غائب ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تعداد ازدواج کی خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے۔

تعدد ازدواج

اس لئے مَیں کون ہوں جو یہ سوچوں کہ یہ قدم عباد الرحمٰن کا غیر شرعی ہوتا ہے۔ لیکن شرعی ہوتے ہُوئے بھی قرۃ العین کے لئے بلائے جان ہوتا ہے وہ خود کو تختۂ مشق محسوس کرتی ہے۔ اگرچہ عباد الرحمٰن جواز اور شرعی حقوق کی بناء پر یہ قدم اُٹھاتا ہے۔

ایسا کیوں ؟

ایسا کیوں ہے ؟ یہ سوچنے کی بات ہے ۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ کچھ
وضاحت کر سکوں ۔ ویسے یہ بہت نازک اور متنازعہ مسئلہ ہے ۔ مگر بیچ
میں چونکہ آگیا ہے ۔ اس لئے اگر تم صبر و ہمت سے سنو تو اپنی ہمت کے مطابق
کچھ تحریر کرتی ہوں ۔ وَمَا توفیقی اِلّا باللہ ۔
گو یہ ٹھیک ہے کہ خداوند کریم نے واضح لفظوں میں دو ۔ دو تین تین اور
چار چار کا قانون درج فرمایا ہے ۔ مگر اعتدال کے ساتھ سلوک کرنے کا جملہ
درج فرما کر ہدایت کی ہے کہ :۔

"اگر اعتدال نہ ہو سکے تو کوئی ضرورت نہیں کہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی
مول لی جائے ۔ اور مصائب کو اپنے صحن کا راستہ دکھایا جائے ۔

قرآن مجید کی اس اجازت سے مردوں کو یہ قطعی فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے کہ اعتدال
کر سکیں گے یا نہ کر سکیں گے ۔ چار عورتوں کا جواز ضرور حاصل ہو جائیگا ۔ کیونکہ
اسلام نے کثرت ازدواج کی صرف اجازت دی ہے ۔ حکم نہیں دیا ۔ لہٰذا ہم
حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے فرمان کے مطابق اور اس کی روشنی میں
اس مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت عورتوں کی اجازت دی ہے ۔ ہم
کہتے ہیں کہ کوئی مرد میدان اور ایسا دلیر معترض ہے جو ہم کو یہ
دکھلا سکے کہ قرآن کہتا ہے کہ ضرور ضرور ایک سے زیادہ عورتیں
کرو ۔" (تفسیر سورۃ النساء حضرت اقدس ۲۱۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر آپ نے ایک سے زیادہ عورتیں کرنے پر سیر حاصل

روشنی بھی ڈالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :-

"خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے والے جو کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے اور تقویٰ کی راہوں کو یوں ڈھونڈتے پھرتے ہیں جیسے ایک گداگر روٹی کو۔ اور جو لوگ خدا کی راہ میں مصیبتوں کی آگ میں پڑتے ہیں جن کا دل ہر وقت مغموم رہتا ہے اور خدا کی راہ میں بڑے مقاصد مگر دشوار گزار ان کی رُوح کو تحلیل کرتے ہیں اور کمر کو توڑتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے خدا خود تجویز کرتا ہے کہ وہ اپنے دن اور رات میں سے چند منٹ اپنی مانوس بیویوں کے ساتھ بسر کریں۔ اور اسی طرح پر اپنے کوفتہ اور شکستہ نفس کو آرام پہنچا دیں اور پھر سرگرمی سے اپنے دینی مشاغل میں مشغول ہو جائیں ان باتوں کو کوئی نہیں سمجھتا مگر وہ جو اس راہ میں مذاق رکھتا ہو"

(چشمہ معرفت ص ۳۴)

میرے عزیز! حضور سیدنا حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے تعدد ازدواج کا اہم مقصد چند لفظوں میں بہت واضح رنگ میں بیان فرمایا ہے گو اس کی ایک جہت کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر اہم ترین پہلو کا جامع ذکر فرما کر آپ نے عورتوں کی تشفی بھی فرما دی۔ اور انہیں دُعا کی تحریک بھی فرمائی ہے۔ ایک اور جگہ حضرت اقدس نے عورت کو مخاطب کر کے فرمایا :-

"اے عورتو! فکر نہ کرو جو تمہیں کتاب ملی ہے وہ انجیل کی طرح انسانی تصرّف کی محتاج نہیں اور اُس کتاب میں جیسے مردوں کے حقوق محفوظ ہیں عورتوں کے حقوق بھی محفوظ ہیں۔ اگر عورت مرد کے تعدّد ازدواج پر ناراض ہے تو وہ بذریعہ حاکم خلع کرا سکتی ہے۔ خدا کا یہ

فرض تھا کہ مختلف صورتیں جو مسلمانوں میں پیش آنے والی تھیں
اپنی شریعت میں ان کا ذکر کر دیتا تا شریعت ناقص نہ رہتی۔ سو
تم اے عورتو! اپنے خاوندوں کے ان ارادوں کے وقت کہ وہ
دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی شکایت مت کرو بلکہ
تم دعا کرو کہ خدا تمہیں مصیبت اور ابتلاء سے محفوظ رکھے۔ بلکہ
وہ مرد سخت ظالم اور قابلِ مؤاخذہ ہے جو دو جورئیں کر کے
انصاف نہیں کرتا"

(کشتیٔ نوح ص۱۸)

یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے واضح طور پر مرد کے انصاف پر
زور دیا ہے اور عورت کو محبت سے نصیحت فرمائی ہے کہ:۔
"تم دعا کرو کہ خُدا تمہیں مصیبت اور ابتلاء سے محفوظ رکھے"
حضور نے عورت کے درد کو بخوبی محسوس کیا ہے۔ آپ نے اُس کی
روحانیت پر بھی جذبات کو حکومت کرنے نہیں دی۔ فرماتے ہیں:۔
"اے عورتو...... مگر تم خود خُدا کی نافرمانی کر کے موردِ قہرِ الٰہی مت
بنو۔ ہر ایک اپنے کام سے پوچھا جائے گا۔ اگر تم خُدا تعالیٰ کی نظر میں
نیک بنو تو تمہارا خاوند بھی نیک کیا جاوے گا"

(کشتیٔ نوح ص۱۸)

پس میرے عزیزو! ایک بات یہاں پر واضح ہو جانی چاہیئے۔ کہ
"عورت اگر نکاح کے وقت میں یہ شرط کرا لے کہ اُس کا خاوند
دوسری بیوی نہیں کرے گا لیکن وہ ایسا نہیں کرتی اور وہ اس
صورت میں خاموشی سے اپنا حق چھوڑتی ہے۔ لہٰذا دوسرے کو

اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔ اب دوسری عورت جو اُس سے
شادی کرنا چاہتی ہے وہ کیوں ایسے شخص سے شادی کرتی ہے جو
پہلے ہی ایک بیوی رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی تو شادی کرے
گی جب تعدد ازدواج پر راضی ہو جائے گی۔ پھر بھی دوسرے کو
اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔"
(تفسیر سورۃ النساء صفحہ ۲۰۹)

اس لئے عورت یہاں یہ چاہتے ہُوئے کہ اشتراک وہ پسند نہیں کرتی
اور بوجہ کمزوریٔ طبع اپنے ساتھ کسی کو شریک بھی نہیں کر سکتی خاموش رہتی
ہے۔ تو یہ اس کی فطری کمزوری ہے لیکن اسلام تو ایک فطری مذہب ہے۔
عورت کی سپر میں بھی کھڑا ہوتا ہے۔ پھر طلاق و خلع کا حق دے کر عورت کو
آزادی کا علمبردار بھی بناتا ہے۔ گو قرآن شریف کا منشاء زیادہ بیویوں کی
اجازت سے یہ ہے کہ تم اپنے نفوس کو تقویٰ پر قائم رکھو اور دوسرے اغراض
مثلاً اولاد صالحہ کے حاصل کرنے اور خویش واقارب کی نگہداشت اور ان کے
حقوق کی بجا آوری کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس لئے فرمایا تم ایک دو تین یا
چار عورتوں تک نکاح کر لو۔ لیکن اگر ان میں عدل نہ کر سکو تو پھر یہ فسق ہوگا
اور بجائے ثواب، عذاب حاصل کرو گے۔ کہ ایک گناہ سے نفرت کی وجہ
سے دوسرے گناہوں پر آمادہ ہُوئے۔ دل دکھانا بڑا گناہ ہے اور لڑکیوں
کے تعلقات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ جب والدین ان کو اپنے سے جُدا کر کے
دوسرے کے حوالے کرتے ہیں تو خیال کرو کہ کیا اُمیدیں اُن کے دلوں میں ہوتی ہیں
جن کا اندازہ انسان عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کے حکم سے ہی کر سکتا ہے۔
اُوپر چند سطور میں حضرت بانیٔ سلسلہ نے کسی درد مند تحریر میں عورت کی

اُس حالت کا ذکر کیا ہے جو عام طور پر مردوں کی غفلت اور بے پرواہی سے
قابلِ صد رحم ہو چکی ہے۔ یہاں عدل کا لفظ آیا ہے یعنی اعتدال لازمی ہے۔
اجازت مشروط بعدل ہے۔ اور عدل کا مطلب یہی ہے کہ عملی طور پر سب بیویوں
کو برابر رکھا جائے۔ کھانے پینے۔ پہننے۔ خرچ اخراجات اور میل ملاقات میں
برابر مساوی حقوق دیئے جائیں۔

"اگر انسان کو پورے طور پر معلوم ہو تو بجائے بیاہ کے وہ ہمیشہ
رنڈوا رہنا پسند کرے۔ خدا تعالیٰ کی تہدید کے نیچے رہ کر جو شخص
زندگی بسر کرتا ہے وہی ان حقوق کی بجا آوری کا دم بھر سکتا ہے۔"

اب آپ خود سوچو

اب اس مختصر سی عبارت سے آپ اندازہ کریں کہ عدل کتنا مشکل
ہے اور عدل نہ کرکے زندگی کتنی جہنم ہے اور جہنم کو زندگی میں ہی مول
لیکر بیٹھ گئے۔ تو آخرت کا خدا ہی حافظ۔ تو بس پھر حضرت اقدس کا ایک جملہ کہ

اگر انسان ہوش و حواس میں رہ کر عدل نہ کر سکے تو پھر
رنڈوا رہنا بدرجہا بہتر ہے۔"

کیوں کیا خیال ہے بچے۔ ٹھیک ہے نا بہتر ہے!! دو تین بیویاں تو ایک
طرف رہیں تم لوگ ماں اور بیوی کے درمیان بھی انصاف و عدل نہیں کر
پاتے ہو۔ ماں کے حقوق ماں کو نہیں دیتے۔ بیوی کے حقوق بیوی کو نہیں
دیتے ہو۔ خود ہی ایک کمزور اور پریشان طبیعت کا مظاہرہ کرکے گھر کو جہنم
بنا دیتے ہو۔ چونکہ یہ تعدّد ازدواج کا مسئلہ اور طلاق و خلع کا مسئلہ
ذرا بہت نازک ہے۔ اس لئے میں اکیلی اس کو آگے بڑھانے کی ہمت

نہیں کرتی۔ پھر دوبارہ حضرت اقدس کے حوالے سے آگے چلتی ہوں۔ آپ حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ احمدیہ (خدا تعالیٰ آپ پر سلامتی نازل فرمائے۔ آمین) ایک بہت اہم نکتہ کی بابت فرماتے ہیں :۔

"واحدہٗ لاشریک ہونا خدا کی تعریف ہے مگر عورتیں بھی شریک ہرگز پسند نہیں کرتیں۔"

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہمارے ہمسایہ میں ایک شخص اپنی بیوی سے بہت کچھ سختی کیا کرتا تھا۔ اور ایک مرتبہ اُس نے دوسری بیوی کرنے کا ارادہ کیا تب اُس بیوی کو نہایت رنج پہنچا۔ اور اُس نے اپنے شوہر کو کہا کہ "میں نے تیرے سارے دُکھ سہے مگر یہ دُکھ نہیں دیکھا جاتا کہ میرا خاوند ہو کر اب دوسری کو میرے ساتھ شریک کرے"۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کے اس کلمے نے میرے دل کو نہایت دردناک اثر پہنچایا۔ میں نے چاہا کہ اس کلمہ کے مشابہ قرآن شریف میں پاؤں۔ سو یہ آیت مجھے ملی :۔

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

چنانچہ حضرت اقدس خود فرماتے ہیں کہ :۔

"یہ مسئلہ بڑا نازک ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ جس طرح مرد کی غیرت نہیں چاہتی کہ اس کی عورت اس میں اور اس کے غیر میں شریک ہو۔ اسی طرح عورت کی غیرت بھی نہیں چاہتی کہ اس کا مرد اُس میں اور اس کے غیر میں بٹ جاوے۔ مگر میں خوب جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی تعلیم میں نقص نہیں ہے۔ اور وہ نہ خواصِ فطرت کے برخلاف ہے۔ اس میں پوری تحقیق یہی ہے کہ مرد کی غیرت ایک حقیقی اور کامل غیرت ہے۔"

اس اہم نقطہ پر پہنچنے کے بعد میں دوبارہ کہتی ہوں کہ اسلام فطری مذہب ہے اور خدا تعالیٰ نے ہمارے مذہب کے مطابق یہ بھی ذریعے دے کہ عورت و ضمیر کی آزادی قطعی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گھریلو زندگی میں اگر بدنیتی لاحق ہو تو فریقین اپنے اپنے حقوقِ زوجیت کا استعمال کر سکتے ہیں یعنی خلع۔ عورت کے جو حقوق ہیں وہ برابر و مساوی حاصل کر سکتے ہیں لیکن میں اپنی صنف سے التجا کروں گی کہ وہ صبر سے کام لیں۔ خدا تعالیٰ ہمارے حقوق کی حفاظت کرتا ہے ہم جو شرک کے مترادف قدم اُٹھاتے ہیں وہ اصل میں ہماری ذہنی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ ورنہ کبھی کوئی عورت مرد کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہونا گوارہ نہ کرے۔ مگر روز عورت ایسا کرتی ہے اور یہی اس میں ایک ستم ہے کہ اپنے جیسی مخلوق کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ معافی مانگنے کے لیے خدا تعالیٰ کا دربار ہے۔ مافوق الفطرت کے سامنے ہاتھ جوڑے جاتے ہیں اور یہ رسم تو ہندوؤں سے آئی ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو مرد زندگی کے دوران میں خداوندِ عالم کا کئی بار شریک بنتا ہے۔ مثلاً

۱۔ اولاد کو سختی سے مار پیٹ کر۔

۲۔ بیوی کے احساسِ تحفظ کو چھین کر۔

۳۔ رزاق کا روپ دھار کر۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن وہ سب سے زیادہ شرک اُس وقت کرتا ہے جب خدا تعالیٰ کی مخلوق کے عیب نکالتا ہے۔ گورے کالے کی رٹ میں غلط روش اختیار کر لیتا ہے اور چھوٹے قد کی ضد میں یہ تک بھول جاتا ہے کہ سیرت، حسب و نسب بھی کوئی چیز ہے۔ گورا رنگ یا کالا رنگ اور دراز قامت یا کوتاہ قامت خدا تعالیٰ کی تخلیق ہے تمہارا اعتراض بیوی پر نہیں ہے اس کے پیدا کرنے والے پر جاتا

ہے۔ عموماً مجلس میں دوستوں یا احباب خانہ کے سامنے بیٹھ کر فخر سے کہتے ہو کہ اُس لڑکی کا رنگ کالا تھا اسلئے میں نے REJECT کر دی۔ حالانکہ وہ فلاں فلاں آدمی کی بیٹی تھی اور اس حد تک تعلیمیافتہ تھی۔ یہ REJECT کا لفظ بولتے وقت یہ بھی خوف طبیعت میں پیدا نہیں ہوتا کہ تم کسی کی بیٹی کو REJECT نہیں کر رہے ہو بلکہ رحمتوں کو دھتکار رہے ہو جو تمہارے امتحان کیلئے خُدا تعالیٰ نے تمہاری ماں کو راہ میں ملا دی ہیں۔ جواب تو تمہاری امّی ہی دے آئی تھیں مگر یہ فخر تم کو حاصل ہو گیا کہ REJECT ہونے والی مومنات کی فہرست تم نے اپنے ذہن میں تیار کر لی۔ البتہ تمہارے ابا جان کو گورے کالے پر چنداں اعتراض نہیں تھا۔ کیونکہ وہ تو جب بھی تمہارے لئے نکلے ڈاکٹر اور HIGHLY QUILIFIED بہو کی تلاش میں نکلے۔ اصل میں ایک دُور بین نگاہ رکھنے کی بناء پر وہ خود ریٹائرڈ ہونے سے پہلے ہی کماؤ دلہن لانا چاہتے ہیں تاکہ معیشت کا بوجھ آنے والے کندھے اُٹھائیں۔ ایسی صورت میں وہ انٹر یا میٹرک پاس لڑکے کے لئے ڈاکٹرڈ ڈھونڈھ لیں تو ان کی جیت ہے۔ اور اُس ڈاکٹر کی شکست ہے جس نے زندگی کے قیمتی دس سال راتوں کو جاگ کر بسر کیئے اور دن رات کتاب آنکھوں سے جُدا نہ کی۔ لیکن جب کتاب جُدا کی تو ایک ایسا ساتھی مل گیا جو ڈاکٹری کے دس حرف بھی جانتا نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ اکثر کہتا ہے کہ کیا ہسپتال سے واپس آکر ہر وقت مشورہ دیتی اور دوائی دیتی رہتی ہو کبھی کام کاج بھی گھر کا کر لیا ہوتا تو میری ماں بیمار نہ ہوتی۔ آخر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

میرے عزیز!! یہ قحط کب اور کیسے ختم ہوگا؟ اس کا جواب تم خود دو۔

جزاکم اللہ۔

بابِ چہارم

عزیزم سہیل! بابِ گزشتہ میں جو ضروری باتیں میں نے تفصیلاً درج کی تھیں۔ اِن کا خلاصہ چند سطور میں جمع کر کے مکرر وضاحت کرتی ہوں۔ تاکہ تم ذہن نشین کر لو کہ تمہاری شناخت کیا ہے؟

اور تمہاری شناخت کی کیا ضرورت ہے؟

تمہیں علم ہے کہ قرآن مجید کے فرمان کے مطابق سورہ فرقان میں عباد الرحمٰن کی شناخت اور نشاندہی بہت واضح لفظوں میں ہمیں ملتی ہے۔ جس کے نتیجے میں تم ایک جملہ کہہ کر بات مکمل کر سکتے ہو۔ کہ "عباد الرحمٰن صفتِ رحمانیت کا چلتا پھرتا مجسمہ ہوتے ہیں"۔ تم اگر صفتِ رحمان پہ ہی فقط غور کرو تو اس عظیم صفت کے احاطہ میں تمہارا اپنا وجود بھی تمام تر آ جاتا ہے۔ زمین و آسمان اور کائناتِ کل کی پیدائش و آرائش آ جاتی ہے۔

لیکن

اگر تم صرف اور صرف اپنے وجود پر ہی غور کرو تو تم اس نتیجہ پہ پہنچ جاؤ گے کہ تمہارے خُدا نے تمہارے لئے تمام سہولتیں مہیّا کی ہیں۔ ارض و سما کو تسخیر کیا پھر تمہیں حواسِ خمسہ عطا کئے۔ تمہیں ایمان بالغیب کے اعلیٰ مدارج تک پہنچایا۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اپنی تمام صفات سے متصف فرما کر عظمت کے مینار پر جا پہنچایا۔ اور اس دُعا کے ساتھ ہی میں وہ تجزیہ بھی

تحریر کرتی ہوں جس کا سابقہ باب میں وعدہ کیا تھا۔

تو ایک چور دروازہ جہاں سے تمہارے دل و دماغ میں COMPLEX داخل ہوا وہ تمہاری بیگم کی قابلیت اور لیاقت بھی ہے۔ تمہاری امی جان اور بہنیں جب تلاش رشتہ میں نکلیں تو تمہیں مذاق معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمہاری تعلیم سے قطع نظر قابل ولائق ساتھی تمہارا ڈھونڈا کرتی تھیں ۔کئی دفعہ تم تعجب بھی کرتے تھے کہ وہ ڈاکٹر صاحبہ کے لئے سوال ڈال آئی ہیں ۔چونکہ ہم اتنی ترقی نہیں کر پائے کہ خود اپنا ساتھی تجویز کریں اس لئے تمہیں اپنے بزرگوں پر بھروسہ کرنا پڑا ۔ اتفاقاً تمہیں تعلیمی لحاظ سے بیگم بہت لائق مل گئی کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ بچیاں زیادہ پڑھی لکھی ہیں اور تم بہت سا وقت تشریحات و توضیحات میں گزار دیتے ہو۔

ایک دفعہ میں نے سروے کیا تو معلوم ہوا کہ یونیورسٹی میں ۱/۳ یا ۲ لڑکے تھے جبکہ لڑکیاں ۲/۳ تھیں ۔ اب بتاؤ کہ میری قوم کی لڑکیوں کا کیا قصور ہے کہ وہ قابل ہو گئیں ۔ پھر اس پر طرّہ یہ کہ گئے یونیورسٹی تم اکھٹے تھے مگر وہ پوزیشن لے گئیں ۔ اور تم نے عموماً گزارہ ہی کیا ۔آخر ایک دن تمہیں اپنے ساتھی سے شب و روز گزار نے پڑے جو ہر میدان فن میں ۔ دین میں ۔ تربیت میں ۔عقل و دانش میں علم و حکمت اور فہم و فراست میں تم سے سبقت لے گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ۔کہ "مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے ۔تو یہاں معاملہ یہی ہے کہ تم اپنی مومن ساتھی کی فراست سے ضرور متاثر ہوتے ہو کیونکہ تم نے لڑکپن میں بہت سا وقت تو ضیع میں گزار دیا ۔اکثر تم ٹیپ پر گانے سنتے تھے ۔ وی ۔سی ۔آر اور ٹی ۔وی پر فلمیں اور ڈرامے دیکھتے تھے ۔جبکہ تمہاری ننھی سی بہن کتابوں میں بیٹھی ایک چھپی ہوئی کتاب

معلوم ہوتی تھی اس لئے جب نُور تقسیم ہونے لگا تو بیشتر حصہ وہ لے گئی تمہارے حصہ میں کچھ تلخی بھی آئی کیونکہ عموماً محرومی اور بے بسی آوازیں تلخی پیدا کر دیا کرتی ہے۔ سو ایسا ہی ہُوا۔ تلخی سے مجھے تمہارا وہ واقعہ یاد آیا ہے۔........ جو عید کے دن تمہاری بدخلقی کا کمال ترین مظاہرہ تھا تم پر کیا بیتی تھی تمہیں یاد ہے۔

محض تلخی اور جھنجھلاہٹ نے تمہارے وجود پر قابو پا لیا ہُوا تھا اور تمہیں اپنی علامتی خوبی کوئی یاد نہ تھی تم بھول چکے تھے کہ عباد الرحمٰن دنیوی زندگی بڑے اعتدال کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔

یعنی بے جا غضب اور تیزی سے لوگوں پر ظلم نہیں کرتے۔ تم نے لوگوں کو چھوڑ اپنی بیوی کے ساتھ وہ ظلم کیا کہ دیکھنے والے بھی تمہاری عقل و دانش پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنے لگے۔

عزیزم !! (معذرت کے ساتھ) اس دن عید پر جاتے وقت تمہاری بیگم جلدی تیار نہ ہو سکی تھیں تو تم نے تلخی کی ابتداء شروع کی اور تان جا کر اس غریب کے والدین پر توڑی۔ سب گھر والے عید کی خوشی تک بھول گئے۔ رنج میں کچھ تو نماز کے لئے چلے گئے اور کچھ تمہاری درشتگی پر آنسو بہاتے رہے اور وہ کمزور سی جان جو تمہاری "نہاں عزیز" ہے بہت دل برداشتہ ہوئی۔ اور وہ محرومی تحفظ کا شکار آٹھ آٹھ آنسو رونے لگی۔ اصل میں اس دن بات معمولی تھی مگر تم اُلجھے ایسے کہ کئی سالوں کا تمہارا غصّہ بھرے ہُوئے سیلاب کی طرح امڈ آیا اور اس لمحہ کی خوشی کو بہا لے گیا۔ تم نے گرج دار بادل کی طرح فضا کو اپنی گونج سے بھر دیا۔ تمہیں یاد ہے کہ تم نے کہا تھا کہ "طلائی ہار پہن کر کوئی زیادہ اچھی تو آپ نہیں لگ سکتیں"؟ کیا تھا جو میرے تجارتی اغراض

کے لئے آپ یہ ہار دے دیں نہیں" وہ پریشان ہو کر بولی کہ یہ میری ماں کی نشانی ہے۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو"؟

تمہارے اندر چونکہ دیر کا کوئی جنون پرورش پا رہا تھا تم ڈھاکے بنگال کی کہانی بیان کرنے لگے۔ تم اتنا گرجے اتنا گرجے کہ سب کی عید خراب کر دی۔ اصل میں وہ طلائی ہار تمہاری کمزوری بن چکا تھا جو تمہاری بیگم نے تمہیں تجارتی اغراض کے لئے بیچنے سے منع کیا تھا۔ آج وہ اس کے گلے کی زینت دیکھ کر تمہارے تمام جنون جاگ اٹھے۔ اس پر پہلے بھی جھگڑا ہو چکا تھا تم نے موقعہ دیکھا نہ محل تمام اہلِ خانہ کو ناراض کر دیا۔ تم نے غضب میں آ کر جب بات تو تو میں میں تک آئی تو تم نے اس کے والدین محترم کو بھی بُرے الفاظ سے یاد کر کے اپنی خاندانی وجاہت کا بھرم کھول ڈالا۔ زیورات کی طلب تو تمہاری بہت کمی اور پست سوچ تھی۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ زیور عورت کی کمزوری ہے اور اس عورت نے پہلے بھی جہیز کی بہت سی اشیاء تمہیں دے کر تجارت کی بنیاد ڈالی تھی اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ

عورتیں اپنے محبوب خلیفہ کی آواز پر جب لبیک کہتی ہیں تو

ان کے جسم سے زیورات ایسے گرتے ہیں جیسے بیریوں سے بیر۔

وہ قطع نظر میاں کی نشانی یا بھائی کا پیار۔ قربانی پر آمادہ ہو جاتی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے قربانی عورت کی سرشت میں ڈال دی ہے۔ لیکن یہاں تمہاری ایک بے جا ضد تھی کہ وہ بڑے والا سیٹ بیچ کر تمہاری امانت کا ذمہ لے اور تمہیں سہارا دے کر تمہاری تجارت کو چمکائے۔ حالانکہ تم کئی بار حضور خلیفۃ المسیح الرابع کے خطبات سن چکے ہو۔ ابھی تازہ خطبہ تم نے سنا تھا۔ آپ فرماتے ہیں اور تمہارے جیسے شوہروں کے لئے خصوصی طور پر فرماتے ہیں :۔

"اس لئے جو لوگ اپنی بیویوں سے بدسلوکی اور بدخلقی کرتے ہیں
تحکم کی راہ اختیار کرتے ہیں اور ذلت کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ:-
مرد کو اس پہلو سے افضل قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس پر خرچ کرتا
ہے۔ نہ یہ کہ اس کو اس کا حاکم بنایا گیا ہے اس لئے قوام کہکر مرد
کے فرائض میں یہ بات داخل کی گئی ہے کہ وہ بہت محنت کرے
اور اس کی محنت کا آخری مقصود یہ ہوا کہ اپنے گھر پر اپنی بیوی
کے آرام پر اس کی خواہشات پوری کرنے پر اپنے بچوں کی ضروریات
پوری کرے اس کے لئے محنت کے حاصل کو خرچ کرے"۔

(خطبہ جمعہ ۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء)

بندوق چلائی کس نے تھی؟

یہ ایک واقعہ تھا جو مجھے یاد تھا اور میں ان دنوں تمہارے ہی گھر مہمان تھی اور کئی واقعات تمہاری طرف سے مطالبات کی شکل میں ہوا کے دوش پر مجھے پہنچے بھی ہیں۔ زیادہ تر تم نے مالی مطالبہ ہی کیا۔ اور یہ ٹھیک ہے۔ "اکثر مطالبات کا آغاز ساس سے ہوتا ہے"۔

مگر ارشد! جیسے کہ میں پہلے کہہ آئی ہوں کہ بندوق چلائی کس نے تھی؟ یہ دیکھا جاتا ہے اور وہی ملزم ہوتا ہے اس لئے قطع نظر اس کے کہ گولی بھری تمہاری امی نے تھی لیکن چلی تمہارے کندھوں سے ہے اور گھر بھی تمہارا ہی خراب ہوتا ہے۔ تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ بیوی تمہارے اخراجات۔ تجارت یا معیشت کی ذمہ دار نہیں۔ پھر اس کی آمد۔ تنخواہ یا والدین کے تحائف پر نظر لگائے رکھنا اور مختلف اوقات میں اسے شوق کا نشانہ بنانا یہ مردانگی نہیں ہے

یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ایک لمحے کے لئے بھی پیش مت کرو کہ آپ سرورِ کائنات ؐ نے بھی اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے مالی سہارا لیا تھا۔ نہیں ہرگز نہیں یہ تمہاری نکمی سوچ کا نتیجہ ہے کہ اپنے مطلب کی بات نکال کر حوالہ دے کر خود کو مطمئن کرتے ہو۔

ذرا سنو! حضرت خدیجہ کبریٰ کے پاس آپ ؐ تجارت کرتے تھے آپ ؐ ان کے ماتحت تھے اور انہی کی تجارت آپ کا مشغلہ تھا۔ تجارتی نقطہ نگاہ سے آپ ؐ بہت زیادہ فائدہ مند وجود ثابت ہوئے۔ ویسے بھی آپ ؐ امین و صدیق مشہور تھے اور بھی ذاتی خوبیاں حضرت خدیجہ کبریٰ کی دُور بین نگاہوں نے بھانپ لی ہوں گی۔ اس لئے انہوں نے خود رشتہ کی پیشکش اپنی کسی ملازمہ کے توسط سے آپ تک پہنچائی تھی۔

نفیسہ ایک قابل اعتماد لونڈی تھی۔ حضور کے پاس پہنچی اور کہنے لگی۔ "میاں شادی کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ جتنی عمر آپ کی ہے اتنی عمر میں تو لوگ کئی بچوں کے باپ ہوتے ہیں۔" آپ ؐ نے فرمایا۔ "بات یہ ہے کہ میں ایک غریب انسان ہوں کون مجھے بیٹی دے گا؟" نفیسہ نے یہ سن کر کہا۔ "میاں کسی دولت مند عورت سے شادی کر لو۔" آپ ؐ نے ہنس کر فرمایا۔ "مجھ غریب کو کوئی اپنی امیر بیٹی کیوں دے گا؟" نفیسہ نے جب اپنی مالکہ کی طرف اشارہ کیا تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی خواہش کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ نے اپنے چچا کی رائے تک انتظار کرنے کو کہا۔ اور چچا کی اجازت کے بعد اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

ان سطور سے تمہیں قطعی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ آپ ؐ نے امارت کا سہارا لینے کے لئے شادی نہیں کی تھی بلکہ ان کی تجویز پر چچا کی اجازت کے بعد اظہار رضامندی

کیا تھا - پھر یہ ہُوا کہ شادی کی پہلی رات ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے اپنی ساری دولت اپنے محبوب شوہرؐ کے قدموں پہ نثار کر دی - آپؐ نے وہ دولت اور جائیداد اپنی ذات پر یا تجارت پہ صرف کرنے کی بجائے غرباء اور محتاج لوگوں میں تقسیم کر دی - غلاموں کو آزاد کر دیا - محتاجوں کی دستگیری کی تھی -

اپنی تجارت کو چار چاند نہیں لگائے تھے بلکہ چہار اطراف میں ناداروں کے بوجھ ہلکے کیئے تھے - دکھی لوگوں کے درد کی کسک محسوس کر کے غلامی کے طوق ان کی گردنوں سے اتارے تھے - مگر یہاں تمہارے ہاں کیا ہے؟ مال کو تم نے اپنا محبوب و مرغوب مدعا بنا لیا ہے - محبت کا چکر مال و دولت کے محور کے گرد گھوم رہا ہے - تمہارا دعویٰ محبّت بیوی بچوں سے بڑھ کر مال کے لئے شدت اختیار کر چکا ہے - مال کی محبّت نے تمہیں اس حد تک جکڑ لیا ہے کہ تم یہ بھول گئے ہو کہ "مجھے سسرال کا احسان مند ہونا گوارا نہیں"- یہ الفاظ وہی ہیں جو شادی کے ابتدائی دنوں میں تمہارے زرّیں اصولوں کی زرّیں بنیاد تھے - شاید یہ ریت کے گھروندے تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ پتھر کی چٹان ثابت ہونے کی بجائے ریت کے تودے ثابت ہُوئے - اور تم وقت کے دھارے پر چل نکلے - مال و شہرت کی محبّت نے تمہیں روحانی لحاظ سے اندیشوں میں ڈال دیا - اگر تم ایمان باللہ میں پختہ ہوتے تو اپنے خُدا پر توکّل کرتے - نمازوں میں اور سجدوں میں اس سے التجا کرتے - اسں کی دی ہُوئی طاقتوں کو پوری طرح استعمال میں لاتے - تمام انسانی تدابیر جو تمہارے بس میں تھیں اختیار کرتے اور جتنی قربانی وقت اور حالات تم سے مانگتے تم پیش کرتے - اس کے بعد خداتعالیٰ کے لئے کوئی خانہ خالی چھوڑتے - پھر بھرپور یقین کے ساتھ خداتعالیٰ کی مدد و نصرت کا انتظار

کرتے۔ کیونکہ وہی کمزوریوں کو ڈھانپنے والا ہے اور کمی پوری کرنے والا ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے کہ :۔

"وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ

(سورۃ فرقان : ۵۹)

"یعنی تمہیں چاہیئے کہ اُس خُدا پر توکل کرو جو زندہ ہے اور جس پر کبھی موت وارد نہیں ہو سکتی اور اس کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس کی تسبیح کرو۔"

حضرت مصلح الموعود اس کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ :۔

"ہر وہ شخص جو ان سامانوں سے کام نہیں لیتا جو خُدا تعالیٰ نے اُسے بخشے ہیں اور کہتا ہے کہ میں اپنا کام خدا پر چھوڑتا ہوں وہ جھوٹا ہے اور خُدا سے تمسخر کرتا ہے اور ہر وہ شخص جو سامانوں سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے اب فلاں کام میں بھی کروں گا وہ بھی جھوٹا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے کاموں میں خُدا تعالیٰ کے دخل کو تسلیم نہیں کرتا۔ کام آسان ہو یا مشکل آخر اُن کی کنجی خُدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔"

بہنو! میں چاہتی ہوں کہ اس تفسیر و تشریح کی کوئی مثال بھی تمہارے لئے وضاحت سے درج کی جائے۔ تو میں حضور خلیفۃ المسیح الثانی کی فرمودہ ایک مثال درج کرتی ہوں جس کی مدد سے تمہارے سامنے توکل علی اللہ کی ایک زندہ تصویر آجائے گی۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"انسان کا کام یہ ہے کہ وہ توکل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین سے بھی کام لے اور ان کے مطابق چلے مثلاً اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ دماغ دیا ہے اور دنیوی سامان بھی عطا فرمائے

ہیں۔ ایسی صورت میں اپنے آپ کو خُدا کے سپُرد کرنے کے یہ معنے ہیں کہ جو کچھ خُدا نے جس کام کے لئے پیدا کیا ہے ہم اس کو استعمال کرتے ہیں۔ پس توکل کا پہلا مقام یہ ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے ہم کو دیا ہے اس کو ہم زیادہ سے زیادہ استعمال کریں۔ اور پھر جو کمی رہ جائے وہ خُدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ اور یقین رکھیں کہ خُدا تعالیٰ اس کمی کو پُورا کرے۔ جیسے بدر کے مقام پر رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک ترتیب قائم کی۔ ان کو اپنی اپنی جگہوں پر کھڑا کیا۔ انہیں نصیحتیں کیں اور لڑنے کے طریق بتائے۔ اس کے بعد عرشہ پر بیٹھ کر دعائیں کرنے لگ گئے۔ یہ نہیں کیا کہ صحابہ کو میدان میں چھوڑ جاتے اور آپ اکیلے وہاں بیٹھ کر دعائیں کرنے لگ جاتے۔ بلکہ آپؐ صحابہ کو لے کر میدان جنگ پر پہنچے پھر ان کو ترتیب دی۔ ان کو نصیحتیں فرمائیں۔ اس کے بعد عرشہ پر بیٹھ گئے۔ اور دعائیں کرنی شروع کیں۔ یہ توکّل ہے جو اختیار کرنا چاہیئے"۔

یہ تو توکّل کی ایک اعلیٰ اور عظیم ترین مثال ہے اب مزید وضاحت کے لئے تمہیں ایک ایسے شخص کی مثال دوں گی جو توکّل کے خلاف عمل کر رہا ہے اور ہمیشہ ظاہری اسباب پر بھروسہ کر کے زندگی کو عجیب ڈگر پر لے گیا۔ نجمہ تمہیں یاد ہو گا تمہاری کلاس فیلو اور میری شاگرد تھی۔ وہ بہت پیاری جیسی عادتوں والی ایک بیٹی اپنے والدین کے گھر سے ایک میٹرک پاس خادم کے ساتھ منسلک کر دی گئی تھی۔ وہ سسرال کے ماحول کو اپنانے میں کوشاں رہتی۔ کافی حد تک حالات پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی۔ مگر شوہر کی طبیعت میں بچپن ہی سے بزدلی اور سہل پسندی تھی جس کا نتیجہ ہمیشہ DEPRESSION ہوتا ہے۔ نجمہ نے بہت

قربانی دی ۔ وہ سروس کرتی تھی ۔ سروس کو جاری رکھتے ہوئے گھر کے حالات پہ قابو پاتی رہتی مگر جب معاشی حالات پر شوہر قابو نہ پا سکا تو COMPLEX میں اتنا زیادہ مبتلا ہو گیا کہ عافیت اسی میں جانی کہ جرمن کو جائے پناہ بنالے ۔ چنانچہ جرمن جانے کا منصوبہ اس کے سر پہ بھوت کی طرح سوار ہو گیا ۔ آخر وہ جرمن چلا گیا ۔ نجمہ کے والدین نے بہت انتظار کیا ۔ آخر ایک دن انتظامات ضروری مکمل کرنے کے بعد نجمہ بھی جرمن کی مسافت پر چل نکلی ۔ ایک سال دو ماہ کے ساتھی بیٹے نے قدموں کو توانائی بخشی اور وہ سرحدِ جرمن پر اپنے شوہر سے جا ملی ۔ دو ایک سال تک وہ سہل پسند شوہر کے ساتھ زندگی کے دن گزارتی رہتی ۔ کبھی لڑتی کبھی خوش ہو جاتی مگر شوہر جس کے جسم میں جمود اور تن آسانی نے گھر کر لیا تھا زیادہ دیر جرمن میں بھی نہ رہ سکا ۔

پھر ایک گھناؤنی سکیم کے ساتھ وہ واپس آگیا اور سسرال سے مالی امداد کا مطالبہ کر ڈالا ۔ نجمہ کے والدین مرتے کیا نہ کرتے اپنے معاشی حالات سے بڑھ کر اپنی بیٹی کے سہاگ کو بچانے کے لئے اپنی معیشت داؤ پر لگاتے رہے آخر ایک دن داماد صاحب نے یہاں تک حد کر دی کہ اپنا منحوس فیصلہ سنا دیا کہ اگر نجمہ کی آپ کو ضرورت ہے تو ویزا اور پاسپورٹ میں لے آیا ہوں اور یرغمال کے طور پر نجمہ کو سرزمین جرمن کے سپرد کر آیا ہوں مجھے اتنی اتنی رقم درکار ہے اگر کچھ لو اور کچھ دو کا سودا کر لو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا ۔ یہ جملے ایسے پریشان کن ثابت ہوئے کہ نجمہ کا خاندان اس بوجھ کو برداشت نہ کر سکا ۔ کچھ عرصہ چیختے چلاتے اور یاسیت سے دوچار ہو کر ٹوٹ پھوٹ گئے ۔ مگر وہ مالی لحاظ سے داماد کی داد گیری پوری نہ کر سکے ۔ ادھر داماد بھی جسمانی کسل مندی اور ذہنی آسائش کی وجہ سے کسی کا نہ رہا تو واپس جرمن چلا گیا ۔ کیونکہ وہ ڈبل انٹری کا ویزا رکھتا

تھا۔ وہاں جا کر نجمہ (جو کہ بہت سلجھی ہوئی تھی صاف گو طبیعت کی مالک تھی) کے لئے ایک بپھرے ہوئے سیلاب کی طرح اُمڈ آیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پردیس میں نجمہ نے کونسلر کے پاس علیحدگی کی درخواست پیش کر دی۔ جو منظور ہو گئی اور اس طرح نجمہ کی سچائی اور نیکی نے اسیری کے تار ہمیشہ کے لئے توڑ دیئے۔
اب نجمہ ان دو بچوں کی بھی حقیقی وارث قرار دے دی گئی۔ جن کی اگر میرے ملک میں علیحدگی ہوتی تو نتیجۃً کھلائی کے طور پر پال کر وارثوں کے سپرد کر دیتی اور خود زندہ درگور ہو جاتی۔

اب عزیزم تم خود ہی بتاؤ اور سوچو کہ ماموریت اللہ سے پیوند رکھنے والا یہ خادم آخر کیوں سفاکی کا روپ دھار بیٹھا۔ کیا تربیت کی کمی تھی، یا وہ Complex تھا جو اس کو شادی کے بعد جکڑ بیٹھا تھا۔
(نوٹ، یہ قارئین کے لئے دماغی ریگ مار کے طور پر ایک سوال ہے۔ جواب خود ہی اپنی صوابدید پر دیں)
مگر سہیل! تمہیں یہ ضرور سننا پڑے گا کہ یہ توکّل کے قطعی خلاف ایک گھناؤنا فعل تھا جو نجمہ کے شوہر سے سرزد ہوا۔ اور ہمارے لئے امامِ وقت کا ایک تازیانہ ہے جو آپ نے فرما دیا ہے کہ:۔

"مزید اس گند کو لے کر ہم آگے نہیں جا سکتے۔"

اب میرے یا کسی اور کے کہنے کی گنجائش ہی کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:۔

اُمراء اس بات پر نگران ہو جائیں کہ آئندہ اس قسم کی بدتمیزیاں بدخلقیاں اور حضرت مسیح موعود کے ارشاد کے مطابق کمال بے شرمی کے نمونے دکھائے جائیں تو ان لوگوں کو جماعت سے بلا تاخیر نکال دیں

کی کارروائی کی جائے۔

عموماً تم لوگ یہ کہکر مسئلہ ماں کے کندھوں پر ڈال دیتے ہو کہ انہیں شکایت تھی یا بدخلقی بیوی کی طرف سے پیش آئی یا یہ "مطالبہ ساس صاحبہ کا تھا"۔ مگر اس سارے واقعہ میں ساس کا تو ہاتھ تمہاری تربیت میں تھا باقی کہیں نظر نہیں آیا۔ سارے ہیر پھیر نجمہ کے شوہر نے اپنی کسل مندی کی بنا پر اور لالچی ذہن کی بنا پر کئے تھے۔ کہ اسے ہمیشہ نجمہ کے ماں باپ کی دولت ہی نظر آئی۔ ایسے لوگ احمدی نہیں ہیں ان کو اخراج از جماعت کی سزا نہ بھی دی جائے تو خُدا کی تدبیر ان کو جماعتِ احمدیہ سے خارج کر چکی ہے۔ کیونکہ جو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ سے دُور ہے اُسے مسلمان کہلانے کا حق نہیں رہتا۔ ان باتوں کو معمولی نہ سمجھو بلکہ ان کی بیخ کنی کرد اور اگر — خدا تعالےٰ معاف کرے کہ وہ وقت نہ آئے کہ ہم گندے پھل کی طرح توڑ کر پھینک دیئے جائیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں اپنی عافیت میں رکھے۔ اِسلام اور امام جماعت کی ہر راہنمائی ہمارے لئے مشعلِ راہ کا کام کرے۔ آمین یا رب العالمین ؛

بیوی کی اسیری

مَیں نے حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا فرمان ایک جگہ پڑھا :۔
"بیوی اسیر کی طرح ہے۔ اگر خاوند عاشروھن بالمعروف پر عمل نہ کرے تو وہ ایسی قیدی ہے کہ جس کا خبر لینے والا کوئی نہیں ہے"۔

حضرت اقدس کے قول کی صحت پر تو مجھے نعوذ باللہ قطعی شبہ نہیں گزرا لیکن اپنی دماغی صحت پر ضرور شک ہُوا۔ یا تو مَیں نے لفظ "اسیر" کو بہت گھناؤنے معنے دے دیئے تھے یا مَیں عورتوں کے متعلق آزادی کی خوش فہمی میں اتنی مبتلا تھی کہ "اسیر" کا لفظ مجھ پر گراں گزرا۔ مَیں اس کی گہرائی تک نہ جا سکی۔ لیکن جب مَیں نے اُن بیویوں کے حقوق کا سروے کیا تو بے شک حضور اقدس کا قولِ مبارک سو فی صدی حق پر تھا۔ مجھے بیوی کی اسیری پر کوئی شک و شبہ نہ رہا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اسیری کس نے دی؟ جبکہ وہ بھی ایک انسان ہے۔ اوّل درجہ کی شہری ہے۔ آپ کی بیوی ہے۔ آپ کے بچوں کی ماں ہے۔ جس کے قدموں تلے جنّت ہے۔ ماں باپ کے گھر۔ بھائی کے ساتھ ساتھ ہم پیالہ ہم نوالہ تمام آزادی کے حقوق کو "ENJOY" کرتی رہی ہے۔ مگر قاضی صاحب یا مربی صاحب کے خطبہ نے اُسے کیوں "اسیر" کر دیا؟ یہ سوال میرے ذہن میں اکثر آتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہُوا؟

میں نے تمام ملنے والوں کے گھر جا کر دیکھا کہ بیوی کیسے اور کیونکر اسیر ہے۔ تو میں اس نتیجہ پر پہنچی کہ بیشک وہ اسیر ہے۔

- کہیں رسم و رواج کی اسیر ہے۔
- کہیں خاوند کی رائے کی اسیر ہے۔
- کہیں ساس و سُسر کے مشورے کی اسیر ہے۔
- کہیں خاندان کی روایات کی اسیر ہے۔

اور

- کہیں گھریلو ذمہ داریوں کی اسیر ہے۔

بال بچوں کی اسیر ہے اور بعض اَن جانی مفید یا بندیوں کی اسیر ہے کہ اگر وہ ان مفید پابندیوں کی اسیری سے آزاد ہونا چاہیے تو ٹوٹ پھوٹ جائے اور اس کی شخصیت اُس قیدی کی طرح ہو جائے جو قفس کے تنکے ٹوٹ جانے کے بعد بھی قفس میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اور اسی میں زندگی محسوس کرتا ہے۔ ایسا کیوں؟

اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے سات اغراض رکھے ہیں :-

ان سات اغراض کی بناء پر اگر انسان چاہے تو دونوں فریقین اس معاہدہ میں آرام و سکون حاصل کر لیں۔ لیکن عورت دو گنا قربانی کرتی ہے جبکہ وہ اعضاء میں بہت نازک ہوتی ہے۔ دماغ بھی اُس کا چھوٹا ہوتا ہے۔ اس لئے جو بہت نازک چیز ہوگی اُس کے محفوظ رکھنے کے لئے بھی رحمت علم اور دُماء احتیاط کی بہت ضرورت ہوگی۔ مگر خاوند عاشروھن بالمعروف پر کیا عمل کرتا ہے؟ کیسے کرتا ہے؟ آئیے یہ دیکھتے ہیں۔ جہاں کبھی GIVE AND TAKE کا مسئلہ آتا ہے وہ اپنی خیالی قربانی کے گھوڑے اتنی دُور تک دوڑاتی ہے کہ خاوند

کے اعتماد کو جیت لے۔ وہ چاہتی ہے کہ اپنے خاوند کی محبت اور برتری کو قائم
رکھے اور جو وہ چاہتا ہے ایسی ہی بن کر دکھائے لیکن اس دوڑ میں وہ اتنی
تھک جاتی ہے کہ آخر نہ وہ اپنی رہتی ہے نہ خاوند کی...... فقط ایک جیتی
جاگتی تصویر ہوتی ہے جو گھر میں ایک مقام بنانے کے لئے ایک مشین رہ جاتی ہے۔
اور اس میں ہاتھ تمام تر خاوند کا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اتنے اُونچے منصوبے بناتا
ہے۔ کہ وہ اُس بلندی تک خود بھی نہیں پہنچ سکتا لیکن وہ واپس بھی نہیں
لوٹتا بلکہ وہ دوسرا راستہ اختیار کرلیتا ہے۔ اور وہ راستہ مال و دولت کی
منزل پر جانکلتا ہے جہاں رشتے اور محبتیں اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں اور
بنگلہ و گاڑی اولیت پالیتے ہیں۔ یہاں بھی وہ اپنی ثانوی حیثیت پر راضی
رہتی ہے اور حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاتی۔

مگر

ایک ایسا میدان آتا ہے جس میں وہ فقط خود اکیلی ہی نظر آنا چاہتی ہے اور
وہ میدان ہے **تعدّدِ ازدواج** کا جس میں وہ کسی طرح بھی قربانی نہیں
کرنا چاہتی یعنی ایک بیوی ہمیشہ ہر قربانی پر تیار ہوتی ہے مگر دوسری بیوی
والا جان لیوا سودا نہیں کرتی۔ اگرچہ بعض کو یہ سودا زندگی میں ایک بار کرنا
ہی پڑتا ہے۔ اور اگر وہ یہ سودا کر ہی لیتی ہے تو عموماً تلخیوں کو سمیٹ کر منجمد ہو
جاتی ہے۔

اِسی لئے تو حضرت اقدس بانیٔ سِلسلہ عالیہ احمدیہ نے عورت کی فطری پریشانی
کو بھانپ کر یہ فرمایا ہے:-

"پہلی بیوی کی رعایت اور دل داری یہاں تک کرنی چاہیئے۔ کہ اگر
کوئی ضرورت مرد کو ازدواج ثانی کی محسوس ہو۔ لیکن وہ دیکھتا ہے

کہ دوسری بیوی کے کرنے سے اِس بیوی کو سخت صدمہ ہوتا ہے اور حد درجہ کی اس کی دل شکنی ہوتی ہے۔ تو اگر وہ صبر کر سکے اور کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا ہو۔ اور نہ کسی شرعی ضرورت کا اُس سے خون ہوتا ہو تو ایسی صورت میں اگر اُن اپنی ضرورتوں کی قربانی سابقہ بیوی کی دلداری کے لئے کر دے۔ اور ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اُسے مناسب ہے کہ دوسری شادی نہ کرے۔"

(تفسیر سورۃ النساء صـ۲۱۶)

مگر عزیزم! تم نے اکثر دیکھا ہوگا۔ کہ مردوں نے اس اجازت کو اپنے لئے فرض واجبی قرار دے کر حیلے بہانے سے دوسری شادی کی چھٹی حاصل کر لی۔ اور اکثر عورتوں کو ایسے پریشان کن حالات میں سے گزرنا پڑا کہ وہ اولاد کی تربیت کا فرض بھی قربان کر گئیں۔ حالانکہ بزرگ لوگ کہتے ہیں کہ اگر عورت کو آگ یا پانی میں اپنا بچہ گرتا نظر آئے تو وہ بے ساختہ بے سوچے سمجھے چھلانگ لگا دیتی ہے اور ایسا واقعہ میں نے خود المنظر حیدر آباد میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن عقد ثانی کی آگ ایسی زبردست آتش ہے کہ ماں اُس آتش میں بچوں کو جلنے دیتی ہے۔ اور باہر کھڑی ہو کر ہاتھ ملتی ہے۔ خود ٹوٹ جاتی ہے اور نسل کو بھی ٹوٹنے دیتی ہے۔ پس ایسے وقت میں یہی دُعا ہے کہ اے خدا! یہ آگ کسی گھر میں بلا وجہ اور بلا ضرورت نہ جلے۔ آمین۔ ایک خاوند کے لئے ایک بیوی کافی ہے۔

اور اگر مرد قوامون اپنی خدا تعالیٰ کی دی ہُوئی رخصت سے یہ فائدہ بے وجہ اُٹھائے تو حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے عورتوں کے آگے بھی میدان کی کشادگی کا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے تعدّد ازدواج فرض واجب

نہیں کیا ہے۔ خُدا کے حکم کی رُو سے صرف جائز ہے۔ پس اگر کوئی
مرد ایسی کسی ضرورت کی وجہ سے اس جائز حکم سے فائدہ اٹھانا چاہیے
جو خُدا کے جاری کردہ قانون کی رو سے ہے اور اس کی پہلی بیوی
اس پر راضی نہ ہو۔ تو اُس بیوی کے لئے یہ راہ "کشادہ ہے کہ
طلاق لے لے اور اس غم سے نجات پاوے۔"

مگر

نجات کیسے پاوے؟

میری صنف کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ نجات پاوے کیسے؟ وہ طلاق لے کر جائے کہاں؟ ماں باپ یا بہن بھائی کون پناہ دے؟ جگر کے ٹکڑوں کو اپنی سوچوں کی نذر کیسے چڑھادے؟؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن چاروناچار ...... کوئی عبادالرحمٰن اُسے قبول کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھے گا۔ کیونکہ معاشرے کا المیہ یہی تو ہے۔ کہ تم نہ تو بیوہ سے شادی کرتے ہو نہ مطلقہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ یہ اُس کا قصور نہیں۔ بیوگی خداتعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان اور ابتلاء اُس کے لئے ہوتا ہے۔ اور مطلقہ یا بیوہ ہونے کی صورت میں وہ ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ مگر خداتعالیٰ کی مدد اُس کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہ حوصلہ نہیں ہارتی مگر تم جب بھی شادی کے لئے نکلتے ہو تو تھوڑی سی قربانی بھی نہیں دیتے۔ اور اُس کی محرومی کو تم عیب قرار دیتے ہو۔ تم ڈرتے رہتے ہو۔ کہ کہیں فوقیت کا میدان تم نہ کھو بیٹھو۔ کیونکہ وہ عملی زندگی میں سے گزر چکی ہوتی ہے۔ اور تم دریا و سمندر کے کنارے کھڑے اعلیٰ وارفع سیپ کی تلاش میں سوچتے رہتے ہو۔ حتیٰ کہ تمہاری عمر کا ایک حصّہ نکل جاتا ہے پھر آخر اپنی عمر سے ۱۵ سال کم عمر کی بیوی لے آتے ہو۔ اور ہونا کیا ہے؟ کہ دونوں کی

ذہنی ہم آہنگی مشکل ہو جاتی ہے۔ قابلیت و تعلیم نے تمہاری بیوی کو شعور تو دے دیا ہوتا ہے۔ مگر روایات اور رسومات کی زنجیروں نے اُسے جکڑا ہوتا ہے۔ اور معاشرہ کی یہ زنجیریں اُس کی شعور کی آواز کو پیدا ہونے سے پہلے دبا دیتی ہیں۔ اور افسوس تو یہ ہے کہ اُس کے گلہ دبانے سے جو چیخیں نکلتی ہیں۔ وہ تم تک پہنچ نہیں پاتی۔ تم اپنی سوچ کی منزل کی طرف گامزن رہتے ہو۔ اور رحم کے تمام دروازے اپنے پیچھے بند کر آتے ہو۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ حدیث شریف ہے :-

"کہ جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں"

رحم و محبت کا جہاں تک تعلق ہے۔ صد مبارکباد کا مستحق ہے وہ خاوند جو اپنی بیوی کو بد خلقی سے بچاتا ہے۔ اور خاوند کی محبت کے علاوہ باپ کی سی شفقت بھی اُسے دے دیتا ہے۔ یاد رہے کہ عورت کبھی بھی احسان فراموش نہیں ہوتی۔ ہاں کمزور اور فطری طور پر بوجہ قویٰ میں کمزوری ناقص ضرور ہوتی ہے۔ کیونکہ مرد کو خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازتے ہُوئے محبتوں کا سمندر دیا ہُوا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُس نے اپنی محبت کو ماں باپ میں۔ بچوں میں بیوی میں اور کاروبار میں بانٹنا ہوتا ہے۔ مگر عموماً تقسیم میں وہ ایسی غلطی کرتا ہے کہ جس بیوی اور بچے کے لئے کاروبار کو وسعت دیتا ہے۔ اَن جانے میں اُسی کی وسعتوں میں خود کھو جاتا ہے اور بیوی بچوں سے رشتے توڑ کر گاڑی اور گیراج سے رشتہ جوڑ لیتا ہے۔

بس تم نے بحیثیت مرد محبت کے تمام دریچے دولت کی جانب کھول دیئے۔ اور کج خلقی اور لاپرواہی تمہاری فطرتِ ثانیہ بن گئی۔

یہ ٹھیک بات ہے کہ آخر یہ تمام جدوجہد تم بیوی بچوں کے لئے ہی کرتے ہو

مگر اس جدوجہد میں یہ بھول جاتے ہو کہ تمہاری اصل دولت تو تمہارے بچے تھے جنہیں تم نے نگہداشت کی چھتری سے الگ رکھ کر انارکی کے سپرد کر دیا۔ وہ غریب ماحول و زمانے کے رحم و کرم کے حوالے کر دیئے گئے۔ جہاں وی۔سی۔آر، ٹی۔وی اور توڑ پھوڑ اُن کا لائحہ عمل بن گیا ہے اور تم ایک مالدار آدمی بن گئے۔ ہے نا؟

عزیزم سہیل! یہ ایک حقیقت ہے کہ مال کی محبت ایک جذبہ ہے۔ اور انسان میں یعنی اشرف المخلوقات میں یہ جذبہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس جذبہ کا موجود ہونا بھی کسی حد تک راستے ہموار کرتا ہے۔ مگر تم پر اس حد تک یہ جذبہ غالب آگیا ہے کہ جنوں کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اور تم نے اس جنوں میں اپنے کئی رشتے پیچھے چھوڑ دیئے ہیں۔ اب تمہارے راستے سے وہی دوراہے ملتے ہیں جو مال و دولت کی طرف جاتے ہیں۔ اور ہر دوراہے پر تم سعی کرتے ہو۔ دوڑ رہے ہو اور تمہاری دوڑ کا ماحصل شہرت و دولت ہے۔ یہاں میں یہ کہتی چلوں کہ بیشک

"مال کی قوت کے ذریعہ سے تم ارتقاء کی بڑی بڑی منزلیں طے کر سکتے ہو۔ کیونکہ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ اقتصادی طاقت بہت سی خیر و برکت کا ذریعہ ہے۔ اور فضل الٰہی کی ایک مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں بہت سے مواقع پر اُسے خیر اور فضل اللہ کے لقب سے ہی پکارا ہے۔ جیسے کہ فرماتا ہے کہ وابتغوا من فضل اللہ"

(تفسیر سورۃ النساء صفحہ ۹۹)

مگر جہاں اکتساب زر کو اللہ تعالیٰ نے فضل اللہ کے لقب سے نوازا ہے

وہاں تاکیدی حکم یہ بھی ہے کہ نظام اعتدال کو مدنظر رکھا جائے ۔ بے جا خرچ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے ۔ اور فضول خرچی سے بھی باز رکھا ہے ۔ کنجوسی اور بے موقع اقتصادی تنگی بھی عباد الرحمٰن کی شان کے خلاف ہے ۔ حدیث شریف میں بھی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ : ۔

"خرچ اور اخراج کی سادگی اور درمیانہ چال میں زندگی کے گزر اوقات کا نصف آرام ہے ۔"

(ترمذی)

باب ششم

راہِ اعتدال

درمیانہ چال اور درمیانے راستے تو برکتوں اور فضلوں کا موجب ہمیشہ ہوتے ہیں۔ مگر افسوس تم یہ راستے اختیار کرنے میں ہمیشہ دیر کر دیتے ہو۔ محبت کے قوس تمام تر دولت کی طرف جھکا دیتے ہو۔ اور مال و دولت کو دل کی دھڑکن بنا لیتے ہو۔ جہاں تک میرا ذہن کام کرتا ہے۔ یہ مال کی چاہت تمہارے دل میں بے جا اسراف و اخراجات سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر زندگی کو میانہ روی سے گزارتے تو شاید قناعت کی دوستی کسی موڑ پر تمہارے ساتھ ہو جاتی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں قناعت تمہارا ساتھ چھوڑ کر چلی گئی ؟

میرے خیال میں :-

(۱) عبادالرحمٰن کی شانِ علامت کے خلاف تم نے کام لیا اور اسراف سے کام لیا۔

(۲) بے جا اخراجات سے شان اجاگر کی۔ دکھاوا کو خوش آئند خیال کیا۔

(۳) جہاں جتنا خرچ کرنا چاہیئے تھا نہیں کیا بلکہ جائز حد سے آگے بڑھ گئے۔ موقع اور محل کو شناخت نہیں کیا۔ مال کے پیچھے بھاگے اور کہیں کہیں تم نے دین کو بھی داؤ پر لگا دیا تاآنکہ آمد بڑھ جائے۔ لیکن یہ دوڑ تم کو بہت مصروف

کر گئی ۔ اور تم دُنیا کے پیچھے بھاگتے بھاگتے یہ بھی بھول گئے کہ تمہاری اصل کمائی تو ایک کمزور و ناتواں عورت کے حوالے ہے ۔ وہ اس کی تربیت کما حقہٗ کیسے کرے گی ۔ اگر بچہ بیمار ہے تو ماں اکیلی ممتا کی ماری سب کچھ کرے گی ۔ لیکن اگر ذہن بیمار ہے تو ماں تنہا کیا کرے گی ۔ کیونکہ اس بیمار ماحول والے بچے کے لئے تو آہنی ہاتھوں کی ضرورت ہے ۔ جو وقت کی دوڑ کے ساتھ ساتھ اپنی گرفت ان پر مضبوط کرے ۔ لیکن اے خادم عزیز! محبت کی کمی کا شکار ہو کر تم نے اولاد کو انارکی کا شکار کر دیا ۔ تم نے وقت پر انہیں ڈانٹا نہ محبت دی ۔ کیونکہ مال جن کے لئے تم کمانے نکلے تھے وہ تمہارے ہاتھ سے نکل گئے ۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل اسی لئے فرماتے ہیں کہ :-

"روپیہ کمانا آسان ہے مگر خرچ کرنا مشکل ہوتا ہے ۔ اور حقیقت میں یہ بالکل درست ہے ۔ دنیا میں بہت لوگ ہیں جو روپیہ کماتے ہیں ۔ لیکن چونکہ انہیں خرچ کرنا نہیں آتا اس لئے وہ ہمیشہ مالی مشکلات میں گرفتار رہتے ہیں ۔ اور بہت ہیں جو کم کماتے ہیں ۔ مگر چونکہ انہیں خرچ کرنا آتا ہے ۔ اس لئے وہ تھوڑے روپیہ میں بھی آسانی سے اپنا گزارہ کر لیتے ہیں ۔"

(تفسیر کبیر سورۃ الفرقان)

لیکن

مجھے تم سے یہی شکایت ہے کہ تم نے اعتدال کے راستے چھوڑ دیئے ۔ اور مال و شہرت کی کثرت کو اپنا مدعا بنا لیا ۔ تمہارے گھر والوں نے بھی تحریک جدید کو پس پشت ڈال کر اخراجات کی فہرست طویل کر دی ۔ قربانی کے وقت جب قوم تم سے مالی قربانی کا مطالبہ کرے گی تو یقیناً کچھ گہری سوچیں سامنے لے آؤ گے ۔

اور خلیفۂ وقت کو لبیک کہنے سے خدانخواستہ پیچھے رہ جاؤ گے۔ کیونکہ یا تو تم نے اسراف کے راستے اختیار کر لئے ہوئے ہیں یا مال سے چمٹے رہتے ہو۔ عزیزم! **اعتدال کی راہ اپناؤ اور مال کو اپنا محبوب نہ بناؤ۔** محبوب صرف اور صرف خدا کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کے لئے جائز ذرائع سے کمانے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ تمہیں تاکید کی ہے۔ اور تمہیں قوامون ہی اس لئے فرمایا ہے کہ تم روپیہ پیسہ کما کر تمام اخراجات ان کے اٹھاؤ۔ انفرادی اور عائلی زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی کمائی خرچ کرو۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ
اِلَی التَّہۡلُکَۃِ ۚۖۛ وَاَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝

(سورہ البقرۃ آیت: ۱۹۶)

گویا خدا تعالیٰ نے مال کی محبت کو اس طرح اعلیٰ اور ایک اور اعلیٰ مقام میں بدل دیا کہ تم اپنا مال جو تمہیں حد درجہ محبوب ہے خرچ کر کے غرباء کی محبت خرید لو۔ یعنی مال کی محبت کی جگہ غرباء و مسکین و محتاج لوگوں کی محبت و دعا سے جھولی بھر لو۔ یہ جھولی خالی نہیں رہے گی اگر تم اپنے گھریلو اخراجات کو کم کر کے ضرورتوں کو سکیڑ کر اور مال کو بچا کر خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دو گے تو تمہارے ایسے محبوبات کی فہرست تیار خود فرشتے کریں گے۔ جو تمہیں آخرت میں بھی کام آئیں گے اور دنیا میں بھی ہلاکت سے بچ جاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے خوش ہوگا۔ اور اگر تمہیں خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو جائے تو یہ کمائی عالی شان ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔
اگر تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ پھر ہماری کمائی کا صلہ ہم کو کیا ملا؟ تو اس کا

جواب یہ ہے کہ اس کا صلہ مال سے زیادہ ملے گا۔ اور وہ تمہارے پیدا کرنے والے خُدا کی محبّت ہے۔ تمہاری دُنیا کے ساتھ تمہاری آخرت بھی درست ہو جائے گی۔ اور تم دونوں جہانوں میں آرام اور سُکھ کی زندگی بسر کرو گے۔ انشاءاللہ۔ (نظام نو صفحہ ۱۰۹)

مگر سہیل! تمہارے ساتھ حالات نے یہ صورت اختیار نہ کی اور تم ہوا کی دوش پر چل نکلے۔ میرے لئے اس وقت مقامِ تعجب یہ ہے کہ وہ کونسے عوامل تھے جنہوں نے تمہیں بہت آگے غلط روش پر نکل جانے کا حوصلہ دیا۔ اور تم میں مال کی محبت جنون کی حد تک تمہیں گرفت میں لے لیا۔ جبکہ تم بخوبی جانتے ہو کہ سورہ تغابن میں آیت نمبر ۱۶ میں خداوند عالم نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کا بڑا اجر بھی ہے۔ تو چلو آؤ دیکھتے ہیں کہ یہ کوئی COMPLEX تو نہیں جو کسی چور دروازہ سے داخل ہو گیا ہو۔ اور تم اُس کا پیچھا نہیں کر سکے۔

تجزیہ نمبر ۴

تمہیں علم ہے کہ بعض حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے تجزیہ کرنے سے خوشکن اور تسلّی بخش نتائج برآمد ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ طریق احسن ہے کہ مل کر سوچ لیں اور پرکھ لیں کہ یہ آخر کیوں ہُوا؟ میری سوچ یہی کہتی ہے کہ کہیں غلطی تم سے بیوی کے انتخاب میں ہُوئی ہے۔ تم نے یہ محسوس کیا کہ ہر وہ مالی کمزوری جو میرے خاندان میں رہ گئی ہے بڑے گھر میں کسی امیر لڑکی سے شادی کر کے وہ پوری کر لوں گا۔ چنانچہ تم نے پہلے ہی زینہ پر بندوق کے لئے دوسرا کوئی کندھا تلاش کر لیا۔ تمہارے بابا اور امّی جان رشتہ

ڈھونڈنے جب بھی نکلے۔ ہزاروں ارمان اُن کے دل میں تھے۔ اور سب ارمانوں کا ماحصل یہی تھا کہ جو کچھ مال، اعزاز، شہرت اور مرتبہ گھر میں میسّر نہیں ہے۔ ہو سے آئے گی۔ چنانچہ اس مقصد کو مدِّنظر رکھ کر وہ بڑے باپ کرنل، جرنیل اور ڈپٹی یا ڈاکٹر کے گھر جا پہنچے اور یہ کبھی نہ سوچا کہ اپنا مال اور ماضی کسی آئینہ میں سے دیکھ کر جائیں۔ اور طرّہ یہ کہ خوابوں کی ایک گٹھڑی بھی ساتھ باندھ لی۔ تاکہ ایمان کے متوالوں کے سامنے یہ پتّے رکھ دیئے جائیں گے اور اس حیلے سے بازی جیت لینے کی سعی کی جائے گی۔ صاحبِ ایمان تو عموماً خداتعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی ظاہری حالات پر کم اور رؤیا و خواب پر زیادہ توجہ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح یہ حربہ کامیاب ہو جاتا ہے جبکہ حضرت یوسف علیہ السّلام کی خریدار بڑھیا اپنی کم مائیگی کی بناء پر ناکام لوٹی تھی۔

دوسرے ایک المیہ یہ بھی ہے کہ لڑکے بیرون ممالک جانے میں عافیت خیال کرتے ہیں۔ اس لئے یہ رجحان بڑھ گیا ہے۔ حالانکہ بوڑھے ماں باپ یہاں بیٹھے ہیں اور نوجوان طاقت و ہمت والے سپوت جان بچا کر دوسرے ممالک میں "پناہ" لینے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ واللہ اعلم کیوں؟ بہرصورت بیٹی والوں کے لئے رشتوں کی کمی ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ زیادہ وقت سوچنے پر نہیں خرچ کرتے بلکہ کفو دیکھے بغیر رشتہ قبول کر لیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ دونوں فریقین کے لئے صحت مند نہیں ہوتا۔ بیٹی والے خداتعالیٰ کی ذات پر توکل رکھ کر غریب گھرانے میں بیٹی دے دیتے ہیں۔ اور اس طرح فرض کی ادائیگی سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور تمہارے والدین ہمیشہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ پرواز ذرا اور اُونچی ہو جاتی تو ٹھیک تھا۔ تم اور تمہارے والدین تمہاری شادی کے بعد چند دن تو خود ہی محوِ حیرت تھے کہ بڑا اُونچا ہاتھ مارا ہے۔ لیکن خُدا جانے یہ امارت و شہرت کے

لئے یہ جذبۂ مسابقت ماں سے تم میں آگیا کہ کسی منزل کا تعین کئے بغیر تم آگے بڑھتے جارہے ہو۔ تم نے یہ پختہ یقین کرلیا ہے کہ دو اور دو چار کرتے ہُوئے رُبع صدی ضرور ہو جائے گی اس لئے راتوں رات سونے کا انڈا حاصل کر لیا جائے۔ شروع شروع میں تو تمہارے ہاتھ میں سُسرال کے لئے ایک مطالبات کی فہرست تھی جواب بدل گئی ہے۔ کیونکہ تم نے دیکھ لیا کہ اپنے ملک میں تو راستے اتنے ہموار نہیں ہیں۔ سات سمندر پار کا علاقہ بہت خوشکن اُمیدیں لئے سامنے نظر آتا ہے۔ تو تم نے طاقتِ پرواز مجتمع کرنی شروع کردی۔ گھر والوں نے تمہارا ساتھ دیا مگر افسوس روپیہ و پیسہ ساتھ نہ دے سکا۔ آخر تمہیں یاد ہوگا کہ تمہاری "مہمانِ عزیز" کے ماں باپ بلّی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کے لئے منتخب کئے گئے۔ جاتا سمندر پار داماد ہے اور تفکرات کے دروازے تمہارے سُسرال میں کھلتے ہیں۔ آخر سودا یُوں طے پایا کہ "بیٹی گھر لے جاؤ یا پرواز کے لئے بازو مہیا کرو"۔ ہے یا ٹھیک؟؟ ذرا سوچو! ایسا انجام کیوں ہُوا؟

تعلیم و تربیت میں کہیں خانہ خالی رہ گیا یا تمہارے خاندانی اقدار و روایات میں دراڑ کہیں پڑ گئی؟ خود ہی انصاف کرو۔ تمہارے ایسے شوہروں کے لئے تو خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کا خطبہ بہت سبق لئے ہُوئے ہے۔ اے کاش تم اُس کو اپنے امام کی رُوح کی آواز جانو اور دل کی گہرائیوں میں اتار لو۔ خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔ یہ خطبہ تحریر کرتی ہوں۔ غور سے سنو؟ تمہاری مردمعیت پہ انہیں تعجّب ہے!!

یہ کمینی ذلیل نگاہیں

فرماتے ہیں:۔

"یہ کیسا مرد ہے۔ یہ کیسا انسان ہے کہ بجائے اِس کے کہ بیوی پر خرچ

کرے اُس کے مال پر نگاہ ہے ۔ یہ بدنیتیاں ہیں ۔جن کا آغاز شادی سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے ۔ ایک عورت کسی لڑکی کو دیکھنے گئی کہ میں اپنے بیٹے کے لئے بہو لانی چاہتی ہوں ۔خوبصورت ۔نیک صورت اور نیک سیرت بیٹی کو دیکھا اور خوشنودی کا اظہار کر دیا ۔ ادھر کہا ہاں ہمیں منظور ہے ۔ اب تم ذرا یہ بتاؤ کہ اس کے ساتھ موٹر جو آئے گی تو کونسی آئے گی ؟ گھر جو دو گے تو کونسی جائداد اس کے نام لکھو گے اور اس کے لئے کیا کیا مزید جہیز ساتھ آئے گا ۔مزید براں یہ کہ فرنیچر جو دینا ہے ۔تو ۲۰/۲۵ ہزار ہمیں دے کیوں نہیں دیتے ہم اپنی مرضی کا بنائیں گے ۔تمہیں کیا پتہ کہ ہم کیسا خریدیں گے ۔تم پیسے دے دو ۔ بے شرمی بے حیائی سے پیسے قبول کرتے ہیں ۔"

امامِ وقت کی فرمودہ صورتِ حال بالکل تحقیق شدہ ہے ۔ بیشک میری دانست میں ایک ایسے بھی سسرال آئے ہیں کہ جنہوں نے یہ تک کہہ دیا کہ ہمارے گھر کی چھتیں ٹین کی چادر کی ہیں ۔آپ کی بیٹی کو تکلیف ہوگی ۔آپ مالی لحاظ سے ہماری حالت بہتر کر سکتے ہیں ۔ آپ ہمارے گھر آ کر تخمینہ کر لیں ۔ کہ کیا کیا اخراجات آئیں گے ۔ کمال بے شرمی ہے کہ لڑکی بڑے امیر سے امیر گھر لینے چلے گئے ہیں ۔مگر اپنی حالت کا نقشہ بھی ہاتھ میں ساتھ لے نکلے ہیں ۔ بے غیرتی کی بھی حد ہوتی ہے ۔ اصل میں ایسا اس لئے ہو رہا ہے کہ رشتوں کی کمی ہے وگرنہ ایسے فیصلے کرنے سے پہلے سوچ ضرور لیتے ۔مگر بیٹیوں کا ردِ عمل کیا ہے ؟ حضور کی درد بھری آوازیں سنو !

"میں ساری عمر کنواری رہ جاؤں گی ۔ ایسے ذلیل لوگوں کے گھر نہیں جاؤں گی ۔"

لیکن

بعض لوگ بیچارے ایسے مجبور ہو چکے ہیں کہ ان کی بیٹیاں بڑی ہو رہی ہیں۔ ان کی عمریں گزر رہی ہیں۔ سر جھکا کر ایسی ذلیل۔ غیر اسلامی شرطوں کو قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ یہ ایک قسم کا بلیک میل ہے جو کبھی بھی ان کی بیٹی کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہمیشہ یہ ذلیل نگاہیں یہ کمینی نظریں مزید اور مزید کا مطالبہ کرتی چلی جاتی ہیں اور بیٹی کو مجبور کیا جاتا ہے کہ فلاں چیز لا کر دو فلاں چیز بھی اپنے باپ کے گھر سے لا کر دو۔ ایسے لوگ احمدی نہیں ہیں۔

لیکن

اے میرے احمدی بچو! یاد رکھو کہ

"اگر عورتوں کو یقین ہو جائے کہ ہمارا مرد سچا ہے۔ صاحبِ خلوص ہے۔ اور پاک دل رکھتا ہے، اور ہماری طرف سے سوائے ہمارے وجود کے اس کو کوئی حرص نہیں تو ایسی عورتیں پھر کبھی غیریت نہیں دکھا کرتیں۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے ہمیشہ کے لئے عورتوں کو ایسا خراجِ تحسین پیش کیا ہے کہ اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ پس اس نمونہ کو آپ پکڑیں۔"

عزیزم سہیل! جس نمونے کو اپنانے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے تاکید کی ہے۔ اگر تم ایک اکیلے ہی اپنا لو تو یقین جانو کہ ایک نسل سنور سکتی ہے۔ کیونکہ تمہیں جو ساتھی دیا جاتا ہے وہ عموماً اور بلیشتر انگوروں کا ایک طشت ہوتا ہے۔ شفاف اور پاکیزہ۔ خوش ذائقہ اور پسندیدہ۔ مگر تم اُن انگوروں کو بہت جلد شراب میں تبدیل کر دیتے ہو۔ کیونکہ تم انگوروں کی سی لطافت و نزاکت کے ساتھ چل نہیں سکتے ہو۔ مختلف سمت سے اُسے آزماتے ہو۔ کبھی خوشامدوں کا انبار اُس کے سامنے ڈال دیتے ہو۔ اور کبھی ایک معمولی

لغزش پر حد درجہ کی بدخلقی کا مظاہرہ کرکے اُس کی عزّتِ نفس کو لتاڑ دیتے ہو اُس سے تحفظ۔ احساس اور اعتماد چھین کر اُسے جلا دیتے ہو۔ اور پھر سڑے ہوئے انگور۔ شراب نہ بنیں تو کیا ہوگا؟ یہ شراب جب تعفن چھوڑتی ہے اور جھوٹ سچ کا ملاپ جب پاؤں جماتا ہے تو مکان و مکین سب چیخ اُٹھتے ہیں۔ یہ بالکل بجا ہے کہ عورت خاوند کا اثر ضرور لیتی ہے۔ اور نادان خاوند بے اعتدالی کی راہیں اختیار کرکے بیوی کو اصل راستہ سے متزلزل کرنے کی سعی کرتا ہے۔ کئی بار بیوی چونکہ کمزور ہوتی ہے زیور میں پلنے والی نازنین ہوتی ہے اسلئے عافیت اسی میں خیال کرتی ہے کہ قدموں پہ قدم رکھ کر چلے۔ مگر کئی بار بلکہ اکثر ایک مجاہدہ نفس پیدا ہو جاتی ہے۔ جو گھر جس کی بنیادیں جھوٹ پہ ہوں توڑ دیتی ہے۔ خود ٹوٹ جاتی ہے لیکن نفس کی آواز پہ لبیک نہیں کہتی اور المیہ یہ ہے کہ خاوند کو ساتھ ملانے کی انتہائی سعی کے باوجود وہ ناکام رہتی ہے واللہ اعلم ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ہوتا کیا ہے؟

پھر ہوتا یہ ہے کہ:۔

"اِس کے نتیجہ میں بدخلقی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو اپنی بیوی سے ذلیل سلوک کرتے ہیں۔ آخر ان کی بیویوں کی شرمیں ٹوٹتی ہیں۔ ان کی زبانیں بھی کھلتی ہیں۔ پھر اگلی نسل ہماری یعنی ہمارے بچے بھی برباد ہوتے ہیں۔ اتنا بڑا نقصان جماعت کیسے برداشت کر سکتی ہے۔ اس لئے امراء اس بات پر نگران ہوں کہ اگر آئندہ کسی اِس قسم کی بدخلقیاں۔ بدتمیزیاں اور حضرت مسیح موعود کے ارشاد کے مطابق کمال بے شرمی کے ایسے نمونے دکھائے جائیں

تو ایسے لوگوں کو بلا تاخیر جماعت سے خارج کرنے کی کارروائی کرنی چاہیئے۔ احمدیت میں ہم اِن باتوں کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے"۔

سہیلی! یہاں تھوڑی دیر کے لئے رُک جاؤ اور مکرر پڑھو۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ خلیفۂ وقت کی آواز پر تم نے کیا قربانی دی؟ مَیں یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ مَیں تم کو تم سے زیادہ جانتی ہوں مگر یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ مَیں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم خُدا کو گواہ رکھ کر کہو کہ اگر یہ پرکھ و کسوٹی تم پر لگا دی جائے تو تم احمدی رہتے ہو کیا؟ احمدی کہلانا ایک بات ہے۔ اور احمدی صحیح معنوں میں ہونا دوسری بات ہے۔ اِن دونوں باتوں میں سے پہلی تو تمہارے حق میں جائے گی۔ مگر دوسری .... خدا تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو اور وہ وقت نہ آئے کہ تم نام کے احمدی رہ جاؤ۔ اور تمہاری بَدخلقی تمہیں حضرت اقدس کی گود سے نکال کر پھینک دے۔ آمین ؛

باب ہفتم

شرکِ خفی

گذشتہ صفحات میں کہیں مَیں نے بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیّہ کے فرمان کا ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ :-

"وحدہٗ لاشریک ہونا خدا کی تعریف ہے مگر عورتیں بھی شریک ہرگز پسند نہیں کرتیں"۔

آپ نے بالکل بجا فرمایا ہے۔ کیونکہ عورتوں کو خدا تعالیٰ نے فطری طور پر کمزور اور POSSESSIVE بنایا ہے۔ وہ اپنی اس صفتِ ملکیت کی بناء پر شوہر کو بھی اپنی خاص ملکیّت سمجھ کر کسی اور کا اس میں واسطہ برداشت نہیں کر سکتیں۔ یہ ان کی تخلیق کا ایک پہلو ہے۔ تربیت کا اس میں دخل نہیں ہے۔ مگر مرد کی تخلیقی خوبی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اُسے وسیع القلب پیدا کیا ہے محبت کے سمندر اُس کے دل میں اتار دیئے ہیں تاکہ وہ ماں۔ بہن۔ بیوی اور بیٹی میں بمطابق درجات پیار و محبت تقسیم کرے۔ وہ محبت بانٹتا بھی ہے مگر کئی بار ناقص تربیت کا ایسا اثر قبول کر لیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا **شرکِ خفی** اُس سے وقوع پذیر ہو جاتا ہے۔ مثلاً اولاد کو سختی سے مارتا پیٹتا ہے۔ بیوی سے بدخلقی سے پیش آتا ہے۔ تحکم کی راہ اختیار کر کے اپنے حاکمِ اعلیٰ ہونے

کی سرپرستی کرتا ہے ۔ اور سب سے زیادہ شرک خفی اس وقت کرتا ہے جب خدا تعالیٰ کی مخلوق کے عیب نکالتا ہے ۔ گوری ، کالی کی رٹ میں غلط روش اختیار کر لیتا ہے ۔ لمبے اور چھوٹے قد کی ضد میں وہ یہ تک بھول جاتا ہے کہ سیرت و حسب نصب کا بھی ایک قد ہوتا ہے ۔ کوتاہ قد اگر قد آور سیرت و خلق کی مالک ہو تو خوش نصیبی کی شمالی علامت ہے ۔ کیونکہ تمہیں تو عورت سے بچوں کی تربیت و تعلیم کا کام لینا ہے ۔ نسل کو سنوارنا ہے ۔ کسی سیڑھی کا کام نہیں لینا ۔ بیشک آئندہ نسل کی قد و قامت کی ایک صورت ضرور ہے مگر ضمانت نہیں ہے کہ لمبے قد والی ماں کے گھر ضرور لمبے قد والے ہی بچے پیدا ہوں گے ۔ طویل قامتی خوش آئینی ضرور ہے مگر سیرت و اخلاق کی قیمت پر سودا مہنگا ہے ۔ کیونکہ "خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا اِمْرَأَۃُ الصَّالِحَۃُ" یعنی نیک بیوی دُنیا کی بہترین دولت ہے ۔ مگر سب سے زیادہ میری قوم کے بچوں کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے ۔ جو ایک پُر وقار ۔ نیک سیرت با اخلاق اور تعلیم یافتہ ماں ہی کر سکتی ہے ۔ "گو کہ تربیت کا سب سے مقدم ذریعہ دُعا ہے ۔"

تعلیم و تربیت

تعلیم و تربیت دو لفظ ایسے ہیں جن کو مکمل کرنے کے لئے چار ہستیوں کی ضرورت پیش آتی ہے ۔ اوّل ماں ۔ دوئم باپ ۔ سوئم استاد اور چہارم ماحول دوست وغیرہ وغیرہ ۔ اگر دیکھا جائے تو ہر ایک اپنی اپنی کارکردگی میں اوّلیت رکھتا ہے ۔ لکھنے میں تو تعلیم پہلے آتا ہے مگر عام عملی زندگی میں تربیت کا مقام پہلا ہے ۔ اس تربیت کے لئے ماں ایک ڈھال ہوتی ہے ۔ عادات و اطوار کو ڈھالنے میں بھی بڑا بھاری کردار ادا کرتی ہے ۔ عموماً اپنے بچوں سے

- مگر جذبہ ہوش و
محبت و شفقت کا سلوک کرتی ہے۔ مار پیٹ کا برتاؤ کرتی ہے
حواس میں رہ کر ماسوائے چند سخت گیر خبطی ماؤں کے باقی تمام مائیں عموماً اپنے
پیارے نصیحت آمیز لہجے سے اپنی بات منوا لیتی ہیں۔ مگر باپ جس کا وہ
جگر گوشہ ہوتا ہے۔ شروعات میں بہت پیار دیتا ہے۔ جب بچہ خصوصاً
لڑکا تعلیم کی عمر کو پہنچتا ہے۔ تو اس وقت پدری شفقت کے زاویے کو بدل کر
ناصح کا روپ دھار لیتا ہے۔ جس کا کام صرف اور صرف ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ
رہ جاتا ہے۔ درشتگی لہجہ کا معمول اُس کی زندگی ہوجاتا ہے جبکہ حضرت مسیح موعود
نے مارنے کو شرک قرار دیا ہے۔ آپ کے نزدیک دُعا کے ذریعہ خدا سے مدد
مانگنے کے بغیر تربیت کے دیگر ذرائع پر انحصار کرنا شرک کا درجہ رکھتا تھا۔ سخت گیر
ہونا اور بچوں کو مارنا قابل نفرین قرار دیا۔ روایت ہے :-

"ایک مرتبہ ایک دوست نے اپنے بچے کو مارا۔ حضور نے اُسے بلایا
اور ایک بڑی دردانگیز تقریر کی۔ فرمایا۔"میرے نزدیک بچوں کو
یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بدمزاج مارنے والا
ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے
ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال
میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اور
جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اور اگر کوئی
شخص خوددار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا
اور پورا متحمل۔ بُردبار اور باسکون و باوقار ہو تو اُسے البتہ حق
پہنچتا ہے کہ کسی وقتِ مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے
یا چشم نمائی کرے۔ مگر مغضوب الغضب اور سُبک سر اور

طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعائیں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوز دل سے دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے۔ میں التزاماً چند دعائیں ہر روز مانگتا ہوں ؛

(سیرت مسیح موعود ص ۳۴۲)

اوّل :۔ اپنے نفس کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت و جلال ظاہر ہو۔ اور اپنی رضا کی پوری توفیق دے۔

دوم :۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم ان سے قرۃ العین (اولاد) عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔

سوم :۔ پھر اپنے بچوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خدام بنیں۔

چہارم :۔ پھر اپنے مخلص دوستوں کے نام بنام۔

پنجم :۔ اور پھر پنجم ان سب کے لئے جو اس سلسلہ سے وابستہ ہیں خواہ ہم انہیں جانتے یا نہیں جانتے ؛

حضور بچوں پر سخت گیر نہ تھے۔ اور کبھی کبھی اپنے بچوں کو پیار سے چھیڑا بھی کرتے تھے۔ اور وہ اس طرح کہ کبھی کسی بچے کا پائنچہ پکڑ لیا اور کوئی بات نہ کی خاموش ہو رہے۔ یا بچہ لیٹا ہوا ہے تو اس کا پاؤں پکڑ اس کے تلوے کو سہلانے لگے۔ بچوں کی غلطی پر حضور متوکلاً علی اللہ عفو اور درگزر سے کام لیتے ؛

(تربیت اولاد ص ۸)

پس یہی سب سے اعلیٰ وارفع صفت ہے اگر تمام مرد اس صفت سے متصف ہو جائیں تو بیوی کے لئے بھی اور بچوں کے لئے بھی گھر جنّت بن جائے جبکہ مرد اپنے ہی ہاتھوں سے سختی اور بدخُلقی کر کے اُسے جہنم بنا دیتا ہے۔

"اور بدخلق انسان تو روحانیت سے کوئی بھی علاقہ نہیں رکھتا بدخلقی تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے مقابل کی ایک چیز ہے۔ اسماء الحسنیٰ کے خلاف ایک شیطانی کوشش کا نام بدخلقی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی جوڑ نہیں۔ صفات باری تعالیٰ اور بدخلقی ایسے ہی ہیں جیسے رات اور دن...... ایک کے ہوتے ہوئے دوسرا نہیں ہو سکتا...... پھر ایسے بچے جو اپنے باپ کو دیکھ رہے ہیں کہ جو آتے ہی گھر میں ایک عذاب لے آتا ہے۔ جس کے جانے سے گھر میں امن آتا ہے۔ جس کے آنے سے جہنّم پیدا ہوتی ہے۔ وہ بچے ہرگز اُس باپ کے فرمانبردار نہیں ہو سکتے ایسا باپ جب بھی ان کو نیکی کی نصیحت کرتا ہے۔ تو اُن بچوں کے دل میں نیکی کے خلاف ردِّ عمل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ کبھی بھی اپنی اولاد کو نیک تعلیم دے ہی نہیں سکتے۔ نیکی کے لئے ضروری ہے کہ جس شخص کو نصیحت کی جا رہی نصیحت کرنے والے سے اُسے محبت ہو اور جو نصیحت کر رہا ہے اُس کو اس سے محبت ہو۔ یہ ایک ایسا بنیادی نکتہ ہے جس کو بھلانے کے نتیجہ میں کسی بھی نصیحت کا نظام کارگر نہیں ہو سکتا۔"

(خطبہ جمعہ ۲۵ مارچ ۱۹۸۸ء بمقام لندن)

غیرت وغنا

پس ضروری ہے کہ تربیتِ اولاد کے لئے دُعا کے ساتھ ساتھ تربیت پر محبت اور خلوص کے ساتھ توجہ رکھے۔ تو بچہ خُدا کے فضل سے شرافت و نجابت کی زندہ تصویر بن جاتا ہے۔

حضرت اماں جان سیّدہ نصرت جہاں کے اندازِ تربیت کے متعلق اگر حضرت نواب مبارکہ بیگم کا ایک اقتباس پیش کروں تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ فرماتی ہیں:۔

"بچے پر ہمیشہ اور بہت پختہ اعتبار ظاہر کرکے اُس کو والدین کے اعتبار کی شرم اور لاج ڈال دینا یہ آپ کا بڑا اصولِ تربیت ہے۔ جھوٹ سے نفرت اور غیرت وغنا آپ کا اوّل سبق ہوتا تھا۔ ہم لوگوں سے بھی آپ ہمیشہ یہی فرماتی رہیں کہ بچے میں یہ عادت ڈالو کہ وہ کہنا مان لے پھر بے شک بچپن کی شرارت بھی آئے تو کوئی ڈر نہیں۔ حضرت .... ہمیشہ فرماتی تھیں کہ میرے بچے جھوٹ نہیں بولتے اور یہی اعتبار تھا جو ہم کو جھوٹ سے بچاتا بلکہ متنفر کرتا تھا۔ ...... اور مجھے یاد ہے کہ حضورِ اقدس سے حضرت والدہ صاحبہ کی بے حد محبت و قدر کرنے کی وجہ سے آپ کی قدر میرے دل میں اور بھی بڑھا کرتی تھی۔"

(سیرت حضرت اماں جان صفحہ ۹۴-۹۵)

مندرجہ بالا اندازِ تربیت کو لیکر آگے چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آج کے والدین اپنے بچوں کی تربیت میں کہاں تک حق ادا کرتے ہیں۔

سنگِ میل

جب بچہ تخلیق کے تمام مراحل طے کر کے تقریباً پونے تین سو دن (۲۷۵) کے بعد دنیا میں آتا ہے۔ تو وہ ایک ایسا ماڈل ہوتا ہے جو فطرتِ اسلام پہ ہی کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام فطری مذہب ہے۔ اگرچہ ماں جس کا وہ بچہ ہے لامذہب ہو۔ ہندو ہو یا عیسائی۔ سکھ ہو یا یہودی۔ پارسی ہو یا مسلمان بچہ بہرحال سلامتی اور امن کے فطری تقاضوں کا متحمل ہوگا۔ بیشک اس پہ ماں کی سوچ۔ خیال خوانی۔ کارکردگی اور چال چلن کا عادات و اطوار کا کچھ نہ کچھ نقش ضرور ہوتا ہوگا۔ اور پیدائش سے پہلے بچہ یہ نقوش حد سے زیادہ قبول کرلیتا ہے۔ مگر پیدائش کے بعد چونکہ وہ ماں کے ساتھ سات سات برس تک اسی طرح رہتا ہے کہ اُس کے ذہن پہ یہ تمام نقوش جو سات سال میں منعکس ہوتے ہیں مستقل شدہ ہو کر ۷۰ برس تک محیط ہو جاتے ہیں جس طرح اُس کی ماں چاہتی ہے اُس کا اُٹھنا، بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ بھاگنا اور دوڑنا تمام ماں کے تراشیدہ طریقوں پہ قائم ہو جاتا ہے۔ ماں اُس کے دل و دماغ پہ محبت و پیار۔ عزت و عظمت۔ نفرت و ناراضگی کا جو بھی رنگ دیتی ہے۔ وہ چوکھا چڑھ جاتا ہے۔ گو تربیت کے اِن بنیادی سات سالوں میں ماں کے علاوہ استاد۔ باپ۔ ماحول بھی کچھ اثرانداز ہوتا ہے۔ اور ضرور ہوتا ہے۔ مگر اسکے بعد جب وہ ماں کی گود سے نکل کر ماحول کی گود میں چلا جاتا ہے۔ یہاں استاد۔ دوست۔ ہمسائے اور راہ گیر اُس کی زندگی کے شب و روز میں نمایاں رنگ بھرتے ہیں۔ اگرچہ ماں کے وہ ابتدائی اسباق اُس کے ذہن کے ہر گوشہ پہ محیط ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ

راستے جو ماں تنہا بناتی ہے اور نسبتاً پختہ ہوتے ہیں بچے کے لئے سنگِ میل ہوتے ہیں لیکن یہاں بیٹے اور بیٹی کی تربیت میں الگ الگ رنگ آنے شروع ہوتے ہیں۔ بیٹا زیادہ تر باپ کے زیرِ اثر آجاتا ہے۔ اور اِس طرح کچھ باپ اور دوست مل کر راستے نکھار دیتے ہیں اور کبھی کبھی دوست و ماحول تاریک کر دیتے ہیں۔ اور بے راہ روی کا بچے کو شکار بنا کر ظلمت کے بھیانک سائے اُس پر حاوی کر دیتے ہیں اصل میں

"بچے کا حال بیج کی مانند ہوتا ہے۔ کہ تخم اچھا ہو زمین اچھی نہ ہو۔ زمین اچھی ہو تو آب پاشی اچھی نہ ہو۔ آب پاشی ہو تو حفاظت نہ ہو۔ پس خوش قسمت انسان کو ماں باپ نیک ہم نشین۔ عمدہ تربیت و نگرانی حاصل ہوتی ہے"

(خطبات نور ص۱)

روشن ضمیر بچے

یہاں یہ وضاحت کر دوں کہ مَیں صرف احمدی بچے کی بات کر رہی ہوں۔ اس احمدی بچے کی ماں جو لجنہ اماء اللہ کی ایک اہم ممبر بھی ہوتی ہے جس کے متعلق دانا کہتے ہیں کہ ہر معاملہ کے عقب میں کہیں نہ کہیں عورت کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ اگر دانا کہتے ہیں تو ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔ ایسا ہی ہوتا ہو گا مگر مَیں صرف یہ جراٴت کرتی ہُوں کہ کہہ دوں کہ ہر معاملہ میں کہیں نہ کہیں مرد کا وجود بھی ضرور ہوتا ہے۔ گویا یہ مثلث ۲ قائمہ زاویہ پر مشتمل ہے۔ کہیں دو مرد اور ایک عورت کہیں دو عورتیں اور ایک مرد اور کہیں ایک مرد اور ایک عورت۔ مجموعہ بہر حال مثلث کا دو قائمہ زاویہ ہی رہے گا۔

پہلے نمبر پر اس مثلث کے احاطہ میں میں بچے کی تربیت کا ذکر تفصیل سے کرتی ہوں۔ اِس احاطہ میں اگر باپ۔ ماں اور بیٹا مقید کر دیں تو بیٹا زیادہ تر باپ کے نقشِ قدم پر چلے گا۔ وہی راستے تراشیدہ اُس کے سامنے بازو کھولے پڑے ہوں گے جو باپ نے بنائے تھے۔ اگر باپ محبت واخلاص سے تربیت کرتا ہے تو یقیناً بیٹا اعتماد اور پیار کا ثبوت پیش کرے گا۔ اور اگر باپ ماں کے ساتھ ہی بدخلقی اور سچائی کا ثبوت نہیں دیتا تو بیٹا کسی بناوٹی تربیت کو قبول نہیں کرے گا اُسے کتاب کے لکھے ہوئے افسانے نظر آئیں گے۔ جو اس کا باپ نصیحت کے رنگ میں دہرا رہا ہوگا۔ گھر میں جو VIDEO وہ دیکھ اور سُن چکا ہے اُس کا اثر دل بھی قبول کرے گا اور دماغ بھی اور اُس اثر کو آپ بیس سال میں بھی دُور نہیں کر سکیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے اِس تربیت اولاد کے متعلق اپنے خطبہ جمعہ میں بہت واضح نصیحت کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ :-

"بچے روشن ضمیر ہوتے ہیں۔ اور ان کی روشن طبع بالغوں سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے اور چونکہ بچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی ذہین چیز ہے اس لئے بچے کے متعلق یہ خیال کر لینا کہ اُس کو پتہ نہیں چلتا۔ اصل میں اُن کو پتہ نہیں چلتا کہ جو خیال کرتے ہیں کہ بچہ ہے کیا؟ بچے کو خدا تعالیٰ نے پوری ذہنی روشنی عطا کی ہے اور بڑوں کے معاملہ میں ایک فوقیت دی ہے۔ کہ جو روشن طبع کو گناہ کمزور کر دیتے ہیں۔ دُھندلا دیتے ہیں"۔

وہ بچہ اپنی روشن طبع اور فوقیت کی وجہ سے خود نتیجہ اخذ کر لیتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "بچے چونکہ خود نتیجے اخذ کرتے ہیں۔ وہ صاف اور روشن نتیجے

ہوتے ہیں۔ کیونکہ بچے کے اندر معصومیت پائی جاتی ہے اسلئے وہ ماں باپ جو بچوں کو اپنے سے بیوقوف سمجھتے ہیں وہ خود بیوقوف ہوتے ہیں۔ بچہ روشن ضمیر ہوتا ہے وہ جو دیکھ رہا ہوتا ہے وہ اس کو پڑھ رہا ہوتا ہے۔ اُس کو پتہ لگ رہا ہوتا ہے کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ ہمارے ماں باپ کی اصل نیت کیا ہے؟ اور اُن کی دلی تمنائیں کیا ہیں؟ بدی سے محبت کرنے والے لوگ ہیں یا نیکی سے محبت کرنے والے "

(خطبہ جمعہ مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۸۸ء)

بچے کی ذہانت و معصومیت پر روشنی ڈالنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :۔

" وہ ماں باپ جو بد خلق ہیں ان کے بچے ان کی نصیحت قبول نہیں کرتے۔ کر سکتے ہی نہیں۔ کیونکہ ان کی فطرت ان کو بتا دیتی ہے کہ ہمیں مجبور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے .... روز روز کی مار پیٹ اور ہڈیوں کے توڑ دینے سے ماں باپ کا اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ اور ماں باپ اِس قابل نہیں رہتے کہ نصیحت کر سکیں ۔ سچے پیار۔ محبت اور خلوص کے ساتھ جو نصیحت کی جاتی ہے اسمیں سچے پیار اور خلوص کا ماحول ہونا ضروری ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ باپ نے جو نصیحت کی تھی اُس میں سچائی تو تھی۔ لیکن جو باپ سچا نہیں ہے اُس کی نصیحت بھی جھوٹی ہوتی ہے۔ اور جو باپ بد خلق ہے اُس کی نصیحت میں نیک اثر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بد خلق آدمی کی نصیحت کوئی دوسرا قبول نہیں کرتا "

(خطبہ جمعہ ۲۵ مارچ ۱۹۸۸ء)

باپ کی بدخلقی کا جو نمایاں اثر بچے خصوصًا بیٹے کی تربیت پر پڑتا ہے۔ اس کے متعلق خلیفۃ المسیح الرابع کے خطبے سے وضاحت و تفصیل حاصل کرنے کے بعد تم یہ بھی دیکھو کہ بدخلقی کے علاوہ ایک سقم ایسا بھی تم میں ہے جو شرک کی حد تک جا پہنچا ہے اور تکلیف دہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔

شرک و نکتہ چینی

دوسروں کے جسمانی ساخت و بناوٹ پر عیب چینی کرنا خصوصًا بیوی کے انتخاب میں ہر مجوزہ بچی کے رنگ ڈھنگ اور قد و قامت پر نکتہ چینی کرنا معمول سا ہو گیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ:-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ شادی سے پہلے اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھ لیا کرو۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں شکل و صورت کی وجہ سے تمہارے دل میں انقباض پیدا ہو۔"

مگر یہ بھی یاد رہے کہ:-

"اصل چیز جو اہلی زندگی کی دائمی خوشی کی بنیاد بن سکتی ہے وہ عورت کا دین اور اُس کے اخلاق ہیں۔ دُنیا میں بے شمار ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ کہ ایک شخص نے کسی عورت کو محض اُس کی شکل و صورت کی بناء پر انتخاب کیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب اُس کے حسن و جمال میں تنزل کے آثار پیدا ہو گئے۔ کیونکہ جسمانی حسن ایک فانی چیز ہے یا اس کی نسبت کسی زیادہ حسین عورت کو دیکھنے کی وجہ سے بے اصول خاوند کی توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی یا بیوی کے ساتھ شب و روز کا واسطہ پڑنے کے نتیجہ میں اُس کی عادات کے بعض ناگوار پہلو

خاوند کی آنکھوں کے سامنے آ گئے تو ایسی صورت میں زندگی کی خوشی تو درکنار خاوند کے لئے اس کا گھر حقیقۃً ایک دوزخ بن جاتا ہے۔"

ایسی تکلیف و دکھ پیدا کرنے والی آئلی زندگی سے بہتر ہے کہ انسان اپنی رفیقۂ حیات کے انتخاب میں ہمیشہ دین کو ترجیح دے تاکہ نسل کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار وجود میسر آ جائے۔ وہ وجود اگر خوبصورتی حسب و نسب اور دولت کے لحاظ سے مثالی ہو تو الحمد للہ۔ وگرنہ دین اور اخلاقِ حسنہ کی بناء پر انتخاب کرنے میں نقصان کبھی بھی کہیں بھی نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ۔ اسی لئے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

"اے مرد مسلم! تو دیندار اور با اخلاق رفیقۂ حیات چُن کر اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کی کوشش کرو۔ ورنہ تیرے ہاتھ ہمیشہ خاک آلود رہیں گے۔" (بخاری)

عزیزم! مَیں تمہیں یاد دلاتی ہُوں کہ چند سال پہلے تمہارے چچیرے بھائی امجد نے ایک سانولی سلونی جیسی بیٹی ثریا سے شادی کی تھی وہ بہت قابل دیندار اور پروقار لڑکی تھی۔ اس نے ماسٹر ڈگری حاصل کی ہوئی تھی۔ کہیں شاید اساتذہ کی نمائندگی کیا کرتی تھی۔ امجد جب بیاہ کر لایا تھا تو بہت چرچا تھا کہ ہم تو سیرت کے غلام ہیں۔ صورت سے ہمیں کوئی نسبت ہوتی تو ایک سے ایک بڑھ کر پیشکش ہوئی تھی۔ ہمیں تو صرف یہی تمنا تھی کہ ایک دیندار با اخلاق لڑکی ہو۔ تمہیں لیکن یاد ہوگا کہ چند مہینوں کے بعد کیا ہُوا تھا۔ زیادہ تر سُننے میں یہی آیا تھا کہ اس کے جسمانی خدوخال رنگ ڈھنگ پر بہت اعتراضات ہونے لگے۔ وہ کما کر لاتی کچھ وقت کے بعد اس کی کمائی کو بھی ثانوی حیثیت مل گئی۔ گھر میں ہر شخص اُس سے

لیسے مُنہ بنائے پھرتا کہ وہ ہر روز بھاگ کر گھر سے چلی جاتی ہے اور واپس آنے پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ کچھ دن تو امجد صاحب گھر والوں کے رویئے پر چُپ رہے بعد میں وہ بھی اپنے گھر والوں کی تقلید میں جا پہنچے۔ جہاں شرک کی حدیں شروع ہوتی ہیں۔ پھر اللہ دے اور بندہ لے والا معاملہ شروع ہو گیا۔ پھر خدا تعالیٰ نے امجد کو دو۔ ایک بیٹے بیٹیوں کا باپ بنا دیا ہے۔ جن میں سے ایک بیٹا کالا تھا۔ میں تمہارے دوست امجد سے سوال پوچھنے کے لئے بے تاب ہوں کہ آخر فون کے رشتوں میں یہ انسان کا رنگ کیوں دیوار بننے لگا۔

شرک اور خود غرضی

کیا وجہ ہے کہ کالا یا سانولا بیٹا اپنے باپ کی محبت کو نہیں جیت سکا جس کو گورے بیٹے نے جیت لیا ہے۔ کیا گورا بیٹا رنگ گورا لیکر اس دنیا میں آیا تھا یا تاجِ برطانیہ ہی اٹھا لایا تھا۔ یہ منافرت کی وہ منزل ہے جو ایک جاہل باپ کے لئے تو گوارہ ہو سکتی ہے۔ لیکن پڑھے لکھے۔ معزز دینی بصیرت رکھنے والے خاوند کے شعور کی منزل نہیں کہلا سکتی۔ کیونکہ وہ دینی مجالس میں صبح و شام حاضر ہوتا ہے۔ خطبات سنتا ہے۔ ملفوظات پڑھتا ہے۔ یہ احساسِ کمتری آخر کیوں ؟

بیوی کے کالے یا چھوٹے قد پہ تو اعتراض تمہارا شیوۂ زندگی تھا۔ اب بیٹے اور بیوی کی تمیز بھی بھول گئے۔ یہ بیٹا ہے۔ تمہارا جگر گوشہ ہے۔

سہیل ! اصل میں تمہارا دوست مجھ سے ناراض ہے وگرنہ یہ سوال لاوے کی طرح میرے دماغ میں پکتا ہے۔ میں پوچھ نہیں سکتی۔ تم ناراضگی کی

وجہ پوچھتے ہو تو کیا بتاؤں۔ سنو! ایک دن امجد نے ہی مجھے فون کیا کہ ثریا کی طبیعت خراب ہے۔ امی جان لاہور گئی ہوئی ہیں آپ مہربانی کر کے ہسپتال تشریف لادیں۔ میں ہسپتال بموجب اطلاع پہنچی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ایک ڈاکٹر صاحبہ نے مجھے لیبر روم تک جانے دیا۔ ثریا بھی مجھے اندر دیکھ کر کچھ مطمئن ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ثریا پسینہ میں نہا رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں کے گرداگرد کالے حلقے اور چپکے ہوئے ہونٹ بہت خوفناک نظارہ پیش کر رہے تھے۔ اُس کا ناک تقریباً سیاہی مائل اس حد تک ہو چکا تھا کہ میں اُس کی جان کا اندیشہ محسوس کرنے لگی۔ مگر سلام پیش کرتی ہوں اُس پیاری سی جان کو کہ اُس کے ہونٹ جب ہلتے تو وہ اپنے خالق کل خداوند عالم کا نام لے رہی ہوتی۔ ہر درد کے ساتھ اللہ جی کی پکار ہوتی۔ سُبحَانَ اللہ کا وِرد کرتی کہ اللہ تعالیٰ ہی مشکل آسان کر سکتا ہے۔ حتّٰی کہ ایک بار اُس کا سانس ٹوٹ گیا مگر دوسرے ہی لمحہ اللہ جی پیارے ...... کہہ کر اُس نے زندگی کی نوید دی۔ اس بے چین دُعا میں شامل کرنے کے لئے میں بھاگی ہوئی اُس کے شوہر امجد کی طرف برآمدے میں گئی۔ باہر والی لابی میں لوگوں کی قطار میں امجد بیٹھا ڈائجسٹ پڑھ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر فوراً چونکا۔ اور جھٹ سے کتاب کا صفحہ موڑ کر بند کر کے میری طرف بڑھا۔ میں نے کہا امجد! کیا کر رہے ہو۔ دُعا کرو خدا تعالیٰ مشکلیں آسان کرے۔ بولا سینس پڑھ رہا تھا وقت نہیں کٹتا ...... انتظار میں تھا۔ میں نے کہا "یہ وقت دعا کا ہے۔ تضرع کا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور پگھل جانے کا ہے۔ وہ برجستہ بولا۔ بہت دُعائیں کرلیں"۔ یہ بے زاری کا جملہ مجھے بہت ناگوار گزرا۔ میں نے غصہ میں آکر کتاب اُٹھا کر الماری کی چھت پر پھینک دی۔ میری یہ جھنجھلاہٹ اُسے گوارا کب تھی۔ وہ ایک لفظ بولے بغیر

باہر چلا گیا۔ اور آج تک مجھ سے نہیں بولا۔ اصل میں اُس کی یہ کوتاہی مجھ پر پہلے بھی گراں گزری تھی۔ جب مَیں ایک دفعہ ملنے ان کے گھر گئی تو دیکھا ۴½ سال کا بچہ ڈائجسٹ کی تصویروں پہ رنگ کر رہا تھا۔ رنگین پنسلیں تصویروں کو رنگین کر رہی تھیں لیکن جو رنگ بچے کے ذہن پر چڑھ رہا تھا اس کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ امجد نے سوچا ہوگا کہ ایک پنتھ دو کاج۔ کہ ایک تو ۱۰/- روپیہ میں ڈائجسٹ کی سیریز پڑھ لیتا ہوں۔ دوسرے بچہ تصویروں پہ رنگ بھر کر شغل کر لیتا ہے۔ تیسرے اُس کا ہاتھ صاف ہوتا ہے لیکن جو تاثرات اِن غیر معیاری تصویروں کو دیکھ کر اور رنگ بھر کر بچے کے دماغ و دل میں رہ جاتا ہے۔ اے کاش اُس کا اندازہ امجد کو ہُوا ہوتا؟

انتخاب

یہی ایک لمحہ تھا جس میں تربیتی نقطہ نگاہ سے وہ غلط اثر لے گیا۔ اُس کے نتائج کبھی کسی زمانہ میں خراب نکل سکتے ہیں۔ مثلاً بیوی کے انتخاب میں کتاب کے انتخاب میں اور پیشہ کے انتخاب میں وغیرہ وغیرہ۔

اصل میں سہیلی! انتخاب کے ہاتھوں تو تم نے بھی مار کھائی ہے کیونکہ انتخاب کرتے وقت سوچ اور فیصلہ میں فاصلہ تم کم رکھتے ہو اور کئی بار فیصلے پہلے کرتے ہو۔ سوچتے بعد میں ہو۔ اگر تم فیصلے و انتخاب کرنے سے پہلے دُعا و استخارہ اور کفو کا دھیان کر لیا کرو اور اپنی عمر۔ اپنے status اپنے رنگ ڈھنگ اور اپنے علم و عقل جیسی بیوی کا انتخاب کر لیا کرو تو "خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"۔ مگر فی زمانہ "اجوڑیاں جگ تھوڑیاں نے نرڑ بہتیرے" کا مسئلہ پیدا تمہارے غلط انتخاب سے

سے ہوتا ہے۔ اور غلط انتخاب تمہاری غلط سوچ کا نتیجہ ہے اور غلط سوچ تمہاری غلط تربیت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے واللہ خدا کے لئے تم اپنے بچوں کو غلط تربیت سے بچاؤ۔

خداتعالیٰ تمہارے ساتھ ہو۔ آمین ؛

باب ہشتم

چند گذارشات

تمام واقعات اور جانچ پڑتال کے بعد تمہاری امی - چچی جان - خالہ جان
اور باجی مجھے اجازت دیں تو مَیں کچھ وضاحت ان کے حضور پیش کرتی چلوں
میری محترمات! ۱۵/۱۶ سال تک تو آپ کا بیٹا آپ کی ہاں میں ہاں ملانے پر
مجبور رہتا۔ لیکن اس کے بعد اس کی پرواز اتنی بلند ہوئی کہ ہر بات میں اُس نے
اپنی رائے کو اوّلیت دے دی - اگرچہ یہ سقم کی بات نہیں ہے کہ بچہ اپنی اہمیت
کو منوا لے مگر یہاں صورت کچھ اس طرح تھی کہ اُس نے تعلیم سے نہیں لگایا۔
علم کے اُس مقام تک نہیں پہنچ سکا - جہاں سے فراست کی ابتداء ہوتی ہے
مَیں کسی خاص ڈگری کی بات نہیں کر رہی - کیونکہ بیٹا اگر عملی زندگی میں عملی تعلیم سے
ہی بہرہ ور ہو تو بھی بہت ہے - کیونکہ اُس کے کندھے اتنے مضبوط ہونے چاہئیں
کہ سارا معاشی بوجھ وہ بخوشی بآسانی برضا و رغبت برداشت کرے اور ایمان و
فراست کی روشنی اُس کے راستے منور کرتی جائے - اچھے - بُرے کی تمیز رکھتا ہو -
علم و عمل کی سیڑھیاں چڑھتے وقت وہ بناوٹ و دکھاوا سے نفرت کا اظہار کرتا
لہٰذا چاہیئے یہ تھا کہ آپ اِن اقدار اور اندازِ تربیت کو زندہ رکھنے کے لئے
بیٹوں کی تربیت پر دوگنی توجہ دیتیں اُن کے لئے وہ سارے راستے اختیار کرتیں
جن پر چل کر اُن کی عزتِ نفس پروان چڑھتی - آپ اولاد کا واجبی اکرام کرتیں -

"اگر ہر باپ اِس بات کا اہتمام کرے۔ کہ وہ اپنی اولاد کو علم و عمل دونوں میں اپنے سے بہتر حالت میں چھوڑ کر جائے گا تو یقیناً قوم کا ہر اگلا قدم ہر پچھلے قدم سے اُونچا اُٹھے گا۔ اور ایسی قوم خُدا کے فضل سے تنزل کے خطرات سے محفوظ رہے گی"۔

حضرت میرزا البشیر احمد صاحب مزید فرماتے ہیں کہ :-

"ایک کم تعلیم یافتہ مگر اچھے اخلاق کا انسان جس میں محنت اور صداقت اور دیانت اور قربانی اور خوش خلقی کے اوصاف پائے جائیں اس اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان سے یقیناً بہتر ہے۔ جس کے سر پر گدھے کی طرح علم کا بوجھ تو لدا ہوا ہے۔ مگر وہ اعلیٰ اخلاق سے عاری ہے۔ اور قرآن شریف نے جو لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ یعنی (اپنی اولاد کو قتل نہ کرو) ان الفاظ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اگر تم اپنے بچوں کی عمدہ تربیت اور اچھی تعلیم کا خیال نہیں رکھو گے تو تم گویا اُنہیں قتل کرنے والے ٹھہرو گے"۔

جہاں خدام یعنی عباد الرحمٰن کی خدمت میں مَیں نے بہت سی گزارشات کی ہیں۔ وہاں مَیں اپنی منصف سے بھی ایک درخواست ضرور پیش کروں گی۔ اگر لمبی درخواست ہو جائے تو طوالت کی معذرت خواہ ہوں۔

(۱) آپ جس صورت حال میں بھی بیٹے کا گھر بسانے کے لئے نکلیں تو پلیز بیٹے سے زیادہ تعلیم یافتہ بیٹی پر قسمت آزمائی نہ کیا کریں۔

(۲) اپنے بیٹے کو احساسِ کمتری سے بچائیں۔ جتنا آپ کا بیٹا بصارت و بصیرت رکھتا ہے اتنی ہی اپنی چادر پھیلائیں۔ اُونچے درشتوں والے اور

اُونچے خیالات والے لوگوں کو شریک کار نہ بنائیں۔ کیونکہ آپ کو تو پتہ ہے کہ اُونٹ سے دوستی کرنے والے ہمیشہ اپنے دروازے اُونچے رکھتے ہیں۔ (معذرت کے ساتھ) مگر آپ نے دروازے تو اپنے وہیں رہنے دیئے اور دوستی کا ہاتھ اُونٹ سے جا بڑھایا۔ اُونٹ کی بلندی سے بیٹا ایسا خائف ہوا کہ وہ راستہ بھول گیا۔

(۳) بیٹی کی ماں کوشش کرے کہ اپنی بیٹی کی ذات کے لئے کپڑے زیور بلیشک حسبِ توفیق دے۔ سامان۔ برتن۔ پلنگ وغیرہ وغیرہ کچھ نہ دیئے جائیں۔ گھر والوں کے پاس یعنی سسرال کے پاس پلنگ بستر ضرور ہوتا ہے۔ دلہن اُن کے ساتھ مل کر رہنا سیکھے۔ اور اگر لے کر جائے تو مشترکہ استعمال کی چیزیں دی جائیں جو سب کے استعمال میں شروع سے ہی شروع کر دی جائیں۔ گھر میں کوئی چیز دلہن کی انفرادیت کا اظہار نہ ہونے دے کیونکہ جہیز وجہ فساد ہو سکتا ہے۔ اوّل تو لڑکے کو خود سامان آسائش و آرام بنانا چاہیئے۔ کیونکہ فطری لحاظ سے عورت میں تنگ ظرفی۔ کم حوصلگی اور جذبہ ملکیت بہت ہوتا ہے۔ یہ جذبہ مرد سے نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مرد کو فطری لحاظ سے پیار زیادہ خدا تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ کیونکہ اُس نے ماحول کو پیار بانٹ کر چلنا ہوتا ہے۔ مثلاً ماں کو۔ بہن کو۔ بیٹی اور بیوی کو اور بعض اوقات دو بیویوں کو وہ اعتدال سے پیار بانٹ کر زندگی گزارتا ہے۔ بہت سوچ بچار کے باوجود کچھ تلخیاں پھر بھی پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ مگر حتی الامکان کوشش یہی کریں کہ کچھ اقدام ایسے نہ اُٹھیں جو گھروں کو جہنم بنا دیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرد کو عورت کہیں نہ کہیں سے پریشان کرتی

ہے۔ خواہ وہ ماں ہو یا بیوی۔

آخر کیوں ؟

محبت اور اعتماد کی تلاش میں

اس کے جواب میں یہ انداز میں اپناؤں تو بُرا نہ ہوگا۔ کہ مرد کو خُدا نے وسعتِ دماغ و دل کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اس کے قویٰ مضبوط بنائے ہیں۔ کہ محنت و مشقت کرے۔ اور دل و دماغ وسیع بنایا ہے کہ فراخ دلی سے سوچے اور وسعتِ نظر سے کام لے۔ اعلیٰ تدبیر و تعبیر کو کام میں لائے۔ اسی لئے تو اُسے قوامون کہا گیا ہے۔ اور وہ قوامون ہو کر بھی اگر ایک صنفِ نازک کی کمزور و مفید سوچ کے فیصلوں پہ نظر ثانی نہ کرے تو یقیناً کہیں نہ کہیں ٹکراؤ ہوگا۔ اور یہ ٹکراؤ زندگی کو دوزخ بنا دے گا۔ اور اس دوزخ میں ڈالنے کے اسباب کیا ہیں؟ اس پہ خدا تعالیٰ مرد سے ہی سوال کرے گا کہ دوزخ میں گھر کو ڈالا کیوں؟ یعنی گھر کو دوزخ میں تبدیل کرنے والے سے پوچھ گچھ ضرور ہوگی۔ پس تم حوامل پہ غور کر کے فیصلے صادر کیا کرو اور رعز نرم سہیل! فیصلے صادر کرنے سے پہلے دوبارہ سہ بارہ غور کر لو کہ کہیں یہ تدبیر مقیدّ اور زخمی ذہن کی سوچ کا نتیجہ تو نہیں ہے؟

تمہیں معلوم ہے کہ دیکھا یہی جاتا ہے کہ گولی کس نے چلائی؟ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بندوق میں گولی بھری کس نے تھی؟ ٹھیک ہے نا؟

یہاں تمہارا ذہن یہ ضرور کہے گا کہ میں نے اپنی صنف۔۔ کو بچانے کی پھر ایک کوشش کی ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ تمہیں میں پچھلے صف۔۔ت میں بتا آئی ہوں کہ عموماً سات سال کا تراشیدہ راستہ۔ ۷ سال کے۔ شاہراہ بنا رہے گا اور تم

اس پر چلتے ہی رہو گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہی عمل کار فرما رہتا ہے جو تمہارے ذہن پر نقش ہو گا۔ یہاں پر سنگِ میل پر ماں کے نقوش واضح ہوں گے۔ اس لئے بیشک یہ ٹھیک ہے کہ ماں کی ہستی بہت حد تک تمہاری زندگی بگاڑتی یا سنوارتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ نتائج کی ذمہ دار وہ نہیں ہوتی یہاں تم نے اُس کے بتائے ہوئے راستوں کو اپنے ایمان و فراست کی روشنی سے منور کر کے گامزن ہونا ہے۔ میرے بچے یقین کرو عورت بہت مجبور ہوتی ہے۔ خواہ اُس کی عمر کتنی بڑی بھی ہو۔ کچھ فطری لحاظ سے اور کچھ ماحول سے متأثر ہو کر وہ مجبور زندگی گزارتی ہے۔ صرف محبت اور اعتماد کو اپنی قوت خیال کرتی۔ اور اس قوت کو سینے سے لگا کر قربانی پر قربانی دیتی ہے اور ساری عمر گزار دیتی ہے۔

اس محبت اور اعتماد پر قائم سلطنت میں وہ ہمیشہ شہنشاہ بن کر رہتی ہے۔ مگر اے عورت! اے بے تاج بادشاہ! تو یہ بھی یاد رکھ کہ اللہ تعالیٰ نے حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی بڑا درجہ رکھا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:۔

"مجھے اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ کوئی عورت اُس وقت تک خدا تعالیٰ کا حق ادا کرنے والی نہیں سمجھی جا سکتی جب تک کہ وہ اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کرتی۔" (ابن ماجہ)

سُن لیا آپ نے میری بہن و بیٹی! اس حدیث میں سرورِ کائناتؐ نے اپنی جان کی قسم کھائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ کوئی عورت خدا تعالیٰ کا حق کتنا بھی ادا کرتی رہے۔ جب تک کہ وہ اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کرے گی۔ خدا تعالیٰ کی

حقیقی خوشنودی کی وارث نہیں ہو گی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خاوند کو بحیثیت نگران و کفیل کنبے کا حاکم و سردار بنایا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا حق کیا ہے اور اس کنبے کے کفیل و نگران کا حق کیا ہے؟

خُدا تعالیٰ کا حق

(۱) خدا تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بالغیب آپ رکھتی ہوں یعنی اُسے ذات میں واحد۔ صفات میں یکتا اور افعال میں لیس کمثلہٖ یقین کرتی ہوں۔

(۲) پھر آپ کو اپنے خالق و رزاق و محسن سے محبت یقیناً ہو گی۔ مگر محبت کا نشان بھی ہونا چاہیئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

یعنی کہہ دے کہ اگر تمہیں اپنے مولیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو اُس کی پہچان یہ ہے کہ میری اتباع کرو پھر تم محُبّ کیا اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

(۳) پھر اُس کا رسُولؐ کامل ہے اور رحمۃٌ للعالمین کی لائی ہوئی کتاب کامل ہے جس پر کامل ایمان لاکر آپ نے پہلا سبق ہی یہ سیکھا ہے کہ

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۔ (سورۃ انعام آیت: ۹۳)

یعنی انسان جب اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو آخرت پر ایمان لے آتا ہے .... پھر ایمان کے دائرہ میں داخل ہو کر نماز کی حفاظت اس کا فرضِ اوّلین ہو جاتا ہے۔

(۴) نماز کی محبت آپ کی عملی حالت ہے جس سے آپ نے خُدا کی محبت اور رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت و پیروی کا اقرار کیا ہے۔ آپ نے

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ۔ (سورۃ بقرہ آیت: ۱۷۸)

یعنی خدا تعالیٰ کا حق ادا کرنے کے لئے اپنا مال رشتہ داروں کو۔ مسکینوں کو۔ ضرورت مندوں کو دیکر انفاق فی سبیل اللہ کا رُکن پُورا کیا ہے پھر صدقہ و خیرات دیکر خُدا کے حقوق کے ساتھ بندوں کے حقوق کی بھی حفاظت کی ہے۔

(۵) اِسی طرح زکوٰۃ اور جہاد اور حج کے بنیادی ارکان حسب ارشاد ربّی ادا کر کے خُدا تعالیٰ کا حق ادا کیا ہے۔

مگر

ان تمام بنیادی فرائض کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے فرائض بھی آپ کے ذمہ ہیں۔ اور بحیثیت بیوی اُن میں شوہر کے حقوق کی نگہداشت سرِ فہرست ہے۔ سو میں اپنی بہنوں بیٹیوں سے خاوند کے حقوق کے بارے میں عرض کرتی ہوں۔ تاکہ آپ کو اپنے محبوب نبیؐ وجہِ تخلیق کائنات کی عظیم نصیحت کا عمل درآمد کرنے میں سہولت ہو اور فرمودہ حقوق کو سرانجام دے کر آپ اپنے گھر کی برکت و راحت کا گہوارہ بنا سکیں۔ آمین یارب العالمین۔

خاوند کے حقوق

قرآن مجید فرماتا ہے کہ:۔

(۱) "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ" (سورۃ بقرہ آیت: ۲۲۹)

یعنی عورتوں کے ذمہ بھی کچھ خاوند کے حقوق ہیں۔ وہ کیا ہیں؟

(۲) لِتَسْكُنُوا اِلَيْهَا - (سورۃ روم آیت: ۲۲)

"بیاہ کے بعد اگر خدا چاہے تو انسان کو آرام ملتا ہے۔ انسان کی آنکھ ناک - کان وغیرہ وغیرہ بدی کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ پس نکاح آرام کے لئے ہوتا ہے بے آرامی کے لئے نہیں"۔

(۳) هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورۃ بقرہ آیت ۱۸۸)

وہ تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کا لباس ہو۔ جس طرح لباس جسم کے عیوب کو ڈھانپتا ہے اور اُس کے حُسن کو ابھارتا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے پردہ پوش ہیں۔ یعنی بیوی مرد کا پردہ رکھتی ہو۔ اسرار کی محافظ ہو آپ کے راز اُس کے راز ہوں اور اُس کے راز آپ کے راز ہوں۔ تبھی لباس کا صحیح مصرف سمجھ آجاتا ہے۔

(۴) قٰنِتٰتٌ ، حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ - (سورۃ نساء آیت ۳۵)

یعنی بیوی فرمانبردار ہوتی ہے۔ کمزوریوں کو چھپاتی ہے۔ وفاشعار ہوتی ہے۔ خاوند کے سامنے اُس کی وفادار اور فرمانبردار ہوتی ہے اور جب وہ غائب ہوتا ہے تو محافظ ہوتی ہے۔ گھر بار کی حفاظت کرتی ہے۔ جان و عصمت کی حفاظت کرتی ہے۔ اُس کے اسرار کی نگرانی اُس کے ذمے ہوتی ہے اور یہی چیزیں محبت اور رحمت پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہیں۔ کیونکہ عورت مرد کے گھر کی چرواہا ہے۔ پس بحیثیت چرواہا اس پر لازم آتا ہے کہ حقوق کی حفاظت کرے۔

(۵) اُس کی اطاعت کرے۔ وہاں یہ بھی لازم ہے کہ گھر کے سازو سامان۔ مال

اور کمائی کی نگران ہو اور حفاظت اور انتظام معیشت بھی کرے۔

(۶) وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ (سورۃ روم آیت: ۲۲)

محبت اور رحمت لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔ محبت کبھی بھی دھوکہ نہیں دیتی۔ بشرطیکہ اعتماد اور حُسن سلوک کی بنیاد پر قائم ہو۔ پس مرد کے اور عورت کے حقوق کا مساوی درجہ محبت کے تمام تقاضوں کو پُورا کرنا ہے۔

پس مندرجہ بالا مختصر دہ حقوق مَیں نے درج کیئے ہیں۔ جو عام فہم ہمارے معاشرہ کی اصلاح کے لئے ضروری ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور خاوند کے حقوق دونوں حقوق بیوی احسن طور پر ادا کرے تو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی بشارت خود سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"جس مسلمان عورت کا خاوند ایسی حالت میں فوت ہو کہ وہ اپنی بیوی پر خوش ہے۔ تو ایسی عورت خُدا کے فضل سے جنت میں جائے گی"۔

اِسی طرح حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ عورت کو جو دلی محبت سے خاوند کی تعظیم کرتی ہیں بشارت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "عورتوں کے لئے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کہ اگر وہ اپنے خاوندوں کی اطاعت کریں گی تو خُدا اُن کو ہر ایک بلا سے بچا دے گا اور اُن کی اولاد عمر والی ہوگی۔ اور نیک بخت ہوگی"۔

بس بہت مبارک اور خیر و برکت کا سودا ہے۔ کہ ماں کی اولاد جو اُس کی حقیقی زندگی ہے۔ اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور دلی چین و سکون کا مداوہ ہے۔ (ماں) اُس کے خلوص۔ فرمانبرداری اور اطاعتِ شوہر سے لمبی عمر و نیک بخت ہو جاوے۔ یعنی گھر تو خاوند کی محبت اور شفقت سے ضرور جنّت بنے گا۔ اولاد

کی زندگی کی ضمانت بھی میسّر آگئی۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

اب عزیزم ارشد! ایک سوال یہاں پھر پیدا ہوتا ہے کہ شوہر جو اطاعت طلب کرتا ہے۔ فرمانبرداری اور محبّت کا متقاضی ہے کن کن صفات سے متصف ہونا چاہیئے؟ تو از روئے قرآن مجید واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شوہر کو اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ۔۔۔۔۔۔۔ فرمایا ہے۔ مثلاً انتظامی امور میں مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے۔

"اگر خاوند خرچ ادا نہ کر سکے تو اُس کو حق قوامیت نہ رہے گا۔ اس لئے ان کو جدا کیا جا سکتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ چونکہ انفاق قوام ہونے کی شرط ہے جب شرط مٹ جائے گی تو مشروط خود فوت ہو جائے گا۔ یعنی مرد بسبب اپنی طاقت کے امیر ہے۔ کیونکہ اُس میں گھر کی حفاظت کی طاقت ہے۔ اور زیادہ بوجھ برداشت کرنے کی طاقت ہے۔ دوسرے بسبب مال کے خرچ کرنے کے اُس کی رائے زیادہ وزن رکھتی ہے۔ کیونکہ اُس کے بوجھ بھی زیادہ ہو گئے ہیں اس لئے اُس کا حق بھی زیادہ ہے کہ اُس کی رائے سُنی جائے۔ مگر یہ سب حقوق امارت میں ہیں۔ یعنی انتظامی معاملات میں ورنہ انفرادی امور میں دونوں برابر ہیں۔" (مخزن معارف ص۲۲۵)

پس واضح ہو کہ قوام کے معنے متکفل کے ہیں۔ اور تکفل میں حفاظت، نگہداشت۔ تادیب۔ رزق کا مہیا کرنا سب شامل ہے۔ سُنا تم نے؟

اب برخوردار ارشد! تم خود اندازہ کر لو کہ تم بحیثیت متکفل کے کہاں تک بیوی کی حفاظت کرتے ہو؟ کہاں تک بیوی کے لباس ہو؟ اور کہاں تک

بیوی کے خرچ اخراجات کے کفیل ہو؟

(۱) تمام جواب تمہاری صوابدید پر ہیں۔ کیونکہ تم خود جانتے ہو کہ عورت کے ساتھ خاوند کا حسنِ سلوک صرف ضروری ہی نہیں ہے بلکہ دراصل حقوق العباد کے میدان میں مرد کا یہی وصف خدا کی نظر میں مرد کے درجہ اور مقام کا حقیقی پیمانہ ہے۔ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ سلوک کا بہتر ہے وہی خدا کی نظر میں بہتر ہے۔" (چالیس جواہر پارے صفحہ ۵)

(۲) "اس حسنِ سلوک کا معیار کسی شخص کی ذاتی رائے پر مبنی نہیں ہے (کیونکہ اپنے منہ سے تو ہر شخص اپنے آپ کو اچھا کہہ سکتا ہے) بلکہ اس کا معیار رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک اسوہ ہے۔ پس وہی سلوک اچھا سمجھا جائے گا جو اس پاک اسوہ کے مطابق ٹھیک اترے گا۔" (ایضاً صفحہ ۸۹)

اور آپ کے پاک اسوہ کا ایک چھوٹا سا نمونہ پیش کرتی ہوں۔ اپنی بیویوں کو رحمۃٌ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ؐ نے وفات کے وقت فرمایا تھا:۔

اِنَّ هَمَّ شَیْئٍ عِنْدِیْ اَمْرُکُنَّ۔

یعنی مجھے اپنے بعد سب سے زیادہ تمہارا فکر ہے کہ تمہاری خدمت کون کرے گا۔

پھر فرمایا:۔

وَلَنْ یَّصْبِرَ عَلَیْکُنَّ اِلَّا الصِّدِّیْقُوْنَ۔

یعنی تمہاری خدمت میرے بعد میرے سچے تابعدار اور پکے مومن ضرور کریں گے۔

غرض آپؐ نے ایک شادی شدہ شخص کے لئے وہ رافت اور حسنِ سلوک کا نمونہ قائم کیا کہ جس کی نظیر نہیں۔ آپ کو تو دلجوئی یہاں تک منظور تھی کہ

آپؐ نے ایک دفعہ شہد کا شربت جو آپؐ کو بہت مرغوب تھا پیا۔ کہ ایک بیوی نے یونہی کہہ دیا۔ آپؐ کے مُنہ سے بُو آتی ہے۔ فرمانے لگے۔ آئندہ میں کبھی شہد کا شربت نہیں پیوں گا۔ (انسانِ کامل صفحہ ۳۳)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ

وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

بے شک اے عظیم شخص! اے خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ۔ فرمانے والے تو صدیقؐ و امینؐ ہیں۔

حرفِ آخر

یہاں مَیں یہ اقرار کرتی چلوں کہ عیب شماری کی طرف متوجہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ مگر میری نیّت صرف اصلاح ہے۔ کئی خاص اشخاص کو مدِّنظر رکھ کر بیشک لکھا گیا ہے مگر کسی خاص ہستی کی عیب چینی نہیں کی گئی ہے۔ خوبیوں کا اظہار کرنا حوصلہ افزائی کی علامت ہے۔ مگر اپنے عزیز لوگوں کی کوتاہیوں اور کمزوریوں کی نشان دہی کرنا بھی ان کو مزید لغزشوں سے بچانے کے مترادف ہے۔

پس عزیزم!

اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ ہر وقت دعاؤں میں لگے رہو اور اپنی حالت کی تبدیلی کرنے کی کوشش کرو۔ تم اس وقت قوموں کے لئے نمونہ ہو پس اپنے تئیں نیک بناؤ۔"

ایک مثال پر غور کرو:۔

"امام ابو حنیفہ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے۔ تو ایک لڑکے کو دیکھا جو کیچڑ میں دوڑا جا رہا تھا۔ آپ نے اُسے فرمایا۔ کہ دیکھو میاں لڑکے کہیں پھسل نہ جاؤ! لڑکے نے کہا۔ آپ اپنا خیال رکھیں کیونکہ میں پھسل گیا تو خیر مجھے تکلیف پہنچے گی مگر آپ کے پھسلنے سے ایک جہان پھسلے گا۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اس سے بہتر کسی کی نصیحت نے مجھ پر اثر نہیں کیا۔ اور یہ ہے بھی سچ کیونکہ وَاِذَا فَسَدَ الْعَالِمُ فَسَدَ الْعَالَمُ۔ اس طرح تمہاری لغزش کا اثر صرف تمہیں تک محدود نہیں بلکہ دُور تک جاتی ہے۔ پس سوچ سوچ کر قدم اُٹھاؤ۔" (خطبات نور ص۲۶)

عزیزم ارشد! سوچ سوچ کر قدم اٹھانے کے ساتھ ایک علاج بھی درج کرتی ہوں۔ خدا تمہیں توفیق عطا کرے کہ تمہارے محبوبات کی فہرست میں جو بھی ہستی آئے وہ اپنا مقام شناخت کروا سکے۔ اور اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا درج کرتی ہوں۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

یہ عظیم دُعا روحانی مسئلہ حل کر دے گی کیونکہ انسان کو دو ضرورتیں ہیں۔ ایک روحانی ضرورت اور ایک جسمانی ضرورت۔ جسمانی ضرورت میں عزت۔ اولاد۔ اور اُن کے اخراجات پورے کرنے کے لئے چیزیں وغیرہ وغیرہ آجاتی ہیں۔ پس اللہ کے نزدیک کوئی عزت والی چیز ہے تو وہ دُعا ہے۔ دوسری دُعا جو تمہاری جسمانی زندگی کے لئے عزت و اولاد کے لئے ساتھی سے سکون و ٹھنڈک کے لئے اور محبت و شفقت کے لئے خدا تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہے وہ ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا

لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔ (سورۃ الفرقان : ۷۵)

پس یہ وہی دُعا ہے کہ جس میں خدا تعالیٰ کے بندے اپنی تمام علامات کے ساتھ اپنی آئندہ نسل کی دینی دنیوی ترقیات کے لئے دُعا کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ نور ایمان جو ان کے دلوں میں پایا جاتا ہے صرف ان کی ذات تک محدود نہ رہے بلکہ قیامت تک چلتا چلا جائے ۔ اور کوئی زمانہ بھی ایسا نہ آئے جس میں اُن کی اولاد یا متبع اور شاگرد دنیا داری کی طرف مائل ہو جائیں ۔ اور خدا اور رسُولؐ کے احکام پر دنیا کو مقدم کرلیں ۔

ایک اور روحانی افزائش کی بات تمہیں بتاؤں ۔ عزیزم ! تم اپنی زبان کو درود شریف کی ٹھنڈک اور حلاوت سے ہمیشہ تر رکھو ۔ تاکہ تمہارے نظامِ خون کے ساتھ ساتھ برکات کا نظام بھی رواں دواں رہے اور دل وجان سے معطر رہے ۔

حضرت اقدس فرماتے ہیں :۔

"درود شریف کی طفیل ...... میں دیکھتا ہوں ۔ کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض عجیب نوری شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتے ہیں ۔ پھر وہاں جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں جذب ہو جاتے ہیں اور وہاں سے نکل کر اُن کی لا انتہا نالیاں ہو جاتی ہیں اور بقدر حصّہ رسدی ہر حقدار کو پہنچتی ہیں ۔ یقیناً کوئی فیض بدُوں وساطت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں تک نہیں پہنچ سکتا ۔"

(الحکم مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء)

درود شریف بے شک ایک عبادت ہے ۔ ایک روح کی غذا ہے ۔ کمال تو یہ ہے ۔ کہ وہ عمل ایسا ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ بھی سرانجام دیتا ہے اور بندہ بھی نبھاتا ہے اور فرشتے بھی ادا کرتے ہیں ۔ بڑا عجیب نکتہ ہے اور بڑا اہم راز ہے کہ خدا تعالیٰ نے

کیسا اپنی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥

(سورۃ احزاب آیت ۵۷)

گویا خدائے قدوس بذاتِ خود فرشتوں کے ساتھ اپنی شان اور عظمتِ بے انتہاء کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور محبت بیان فرماتا ہے۔ پھر اپنے "پیار" کے لئے خود ہی تمام کائنات کو درود شریف سے معطر کرنے پر ہی بس نہیں فرماتا۔ بلکہ اپنے پیارے کی امت کی عظمت و رفعت کے لئے بھی ایک راز ایک اہم راز عنایت فرما دیتا ہے۔ کہ

"میرے پیارے پر سلامتی دصلوٰۃ بھیجو"

کیونکہ "یہ دُعا ہے۔ دَوا ہے۔ سلام ہے۔ سوغات ہے۔ شکریہ ہے۔ اور عین ادب بھی ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

سو عزیزم سہیل! آؤ اپنے حقیقی "پیار" کے لئے اور اپنے عارضی پیار کے لئے وہ تمام دعائیں اور دوائیں اس ایک نعرہ پر ختم کر دیں

"جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو"

(سیرتِ احمد صـ۱۹۱)

کیا خیال ہے میرے بچے! ھو الیقین اُس راستے کا جس پر چلنے کے لئے تمہیں تمہارے محبوب سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مشعلِ

محبت جلا کر روشنی دی تھی۔ اور پھر اُسی مشعلِ محبت کو لے کر تیرا موعود مسیح (خدا تعالیٰ کی سلامتی نازل ہو) آگے بڑھا تھا۔ آج تو اپنے موعود کی گود میں ہے۔ اس کی لاج رکھنا۔ تمہارا فرضِ اوّلین ہے۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ آمین یا ربّ العالمین۔

وَالسّلام

طالبہ دُعا

تمہاری ایک ہمدرد دُعاگو

سیّدہ حفیظۃ الرحمٰن

بلاک ۲ A/۲۹۶ گلشنِ اقبال

کراچی